پاکستان مسلم لیگ ۴۷۔۱۹۹۷ء
ایک تاریخی جائزہ

احمد علی

پس منظر

"طے پایا کہ ڈھاکہ کے مقام پر اکٹھی ہونے والی یہ مجلس جس میں ہندوستان کے تمام علاقوں سے مسلمان شریک ہیں، فیصلہ کرتی ہے کہ مندرجہ ذیل مقاصد کے فروغ کیلئے ایک سیاسی تنظیم بنام آل انڈیا مسلم لیگ تشکیل دی جائے:

(ا) مسلمانان ہند میں حکومت برطانیہ کے لئے وفاداری کے جذبات کو فروغ دیا جائے اور کسی بھی حکومتی اقدام سے متعلق حکومت کی نیت کے بارے میں غلط فہمی کو رفع کیا جائے۔

(ب) مسلمانان ہند کے سیاسی حقوق اور مفادات کا تحفظ و فروغ اور ان کے جذبات و ضروریات کا بصد ادب حکومت کو ابلاغ۔

(ج) لیگ کے دیگر بیان کردہ مقاصد میں رکاوٹ ڈالے بنا، مسلمانان ہند میں کسی بھی دوسرے گروہ کے خلاف مخالفانہ جذبات کی روک۔"[1]

مندرجہ بالا قرار داد کی صورت میں ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ڈھاکہ میں مسلم اکابرین نے ۲۰ ویں صدی کی ایک اہم سیاسی تحریک کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس تحریک کو مسلمان عوام کی نمائندہ جماعت کا منصب حاصل کرنے کے لئے ایک طویل اور کٹھن سفر طے کرنا پڑا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء میں متعین کیا جانے والا ہدف فقط سات سال کی ریاضت کے بعد حاصل کر لیا گیا۔ اس کامیابی میں سب سے اہم کردار قائداعظم نے ادا کیا۔ جہاں مسلمانان ہند کی یہ تحریک اور بہت سے حوالوں سے منفرد حیثیت رکھتی ہے، وہاں اس کی ایک خصوصیت تحریک کا قائد کی شخصیت میں مرتکز ہونا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی زیر قیادت مسلم لیگ، ۱۹۴۷ء میں

لوح برصغیر پر پاکستان کندہ کروانے میں کامیاب رہی۔ ایک عظیم کامیابی کے بعد مسلم لیگ کا سفر ناکامی کی داستان ہے' کیونکہ مسلم لیگ ایک سیاسی تحریک سے ایک باضابطہ سیاسی تنظیم کی شکل اختیار کرنے میں بری طرح ناکام ہوئی۔

کسی بھی قوم کے لئے کسی بھی زمان و مکان کی حدود میں رہتے ہوئے'من حیث القوم اپنا جداگانہ تشخص تسلیم کرانے کے ہدف کے حصول کی خاطر جدوجہد میں "سیاسی تحریک" سب سے موثر ہتھیار تصور کیا جاتا ہے۔ ابتدائی اہداف کے حصول کے بعد' اس تحریک سے وابستہ سوالات کی ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے۔ تحریک کا کسی بھی مقرر کردہ سنگ میل یا ہدف کو پا لینا ایک نئے ہدف کا مبداء تصور ہوتا ہے۔ تحاریک کے ضمن میں ایک جدا وطن کے حصول کی خاطر کی جانے والی جدوجہد ایک خاص مقام کی حامل ہوتی ہے۔ وطن کے نام پر ایک مخصوص حد بندی میں ایک قطعہ زمین حاصل کر لینا ابتدائی ہدف کو پا لینا قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس مقام سے تحاریک کی زندگی ایک نئے دور میں داخل ہوتی ہے۔ یہ سفر "تحریک" سے "تنظیم" کی سمت جاتا ہے۔ ایک قومی تحریک سے ایک قومی کردار کی حامل تنظیم کی جانب۔ "تحریک" سے "تنظیم" کی جانب ارتقاء کا عمل نوزائدہ سلطنت میں فروغ پانے والے مستقبل کے رجحانات کی سمت متعین کرتا ہے۔ اس ارتقائی عمل کی ناکامی "تحریک" کی حیثیت تو نہیں جھٹلاتی مگر جہاں یہ ناکامی اس کی صحت کے بارے میں انواع و اقسام کے سوالات جنم دینے کا باعث بنتی ہے وہاں ایسے عناصر کو متحرک کرنے کا باعث بھی بنتی ہے جو "تحریک" کی روح کی صریحا" رد ہوتے ہیں ۔ ارتقائی عمل کی ناکامی اور ان عناصر کا متحرک ہو جانا نہ صرف جمہور سازی کے عمل میں سدراہ ثابت ہوتا ہے بلکہ ایک صحتمند معاشرہ کی تخلیق کا عمل بھی سبوتاژ کر دیتا ہے۔

اس مضمون میں درج بالا معروضات کی روشنی میں مرکزی پاکستان مسلم لیگ کے پچاس سالہ سفر کا تجزیہ کرنے کی سعی کی جائے گی۔ وسعت مضمون کے باعث کسی اہم نکتے کا زیر بحث نہ آپانا ممکن ہے۔ مسلم لیگ کی تاریخ کا پہلا دور نا صرف مسلم لیگ بلکہ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ اس دور میں پاکستانی سیاست کے بنیادی رویوں اور رجحانات نے فروغ پایا۔ اس بات کے پیش نظر پہلے دور پر نسبتاً زیادہ مفصل بحث کی گئی ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ سے پاکستان مسلم لیگ تک

جہاں تقسیم نے اور بہت سے سوالات کو جنم دیا، وہاں تحریک کی قیادت کے مد نظر ایک سوال مسلم لیگ کے مستقبل کا بھی تھا مگر پاکستان کی نوزائیدہ سلطنت کو درپیش فوری مسائل[۲] کے باعث مسلم لیگ کی حیثیت کے تعین کے لئے دسمبر ۱۹۴۷ء تک کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ دسمبر ۱۹۴۷ء میں لیاقت علی خان نے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ۱۵- ۱۴ دسمبر کو کراچی میں طلب کیا۔ اس موقع پر تین سوال اہمیت کے حامل تھے۔

اول۔ ہندوستان میں دو جدا ریاستوں کے ظہور کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کی حیثیت کا تعین۔
دوم۔ مسلم اکثریت پر مبنی نئی ریاست میں مسلم لیگ کے کردار کا تعین۔
سوم۔ ہندوستان میں مسلم لیگ کے مستقبل کا تعین۔

آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کا آخری اجلاس ۱۳ دسمبر ۱۹۴۷ء کو کراچی میں ہوا۔ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے یعنی انڈیا مسلم لیگ و پاکستان مسلم لیگ۔ ۱۵- ۱۴ دسمبر کو کونسل کا اجلاس فریئر ہال کراچی میں ہوا جس میں ۳۰۰ کونسلر حضرات شریک ہوئے۔ ۱۶۰ کونسلر بھارت سے شرکت کے لئے آئے۔[۳]

لیاقت علی خان نے اجلاس میں مسلم لیگ کی تقسیم سے متعلق قرار داد پیش کی۔ حسین شہید سہروردی پاکستان میں مسلم لیگ کو برقرار رکھنے کے حق میں نہ تھے۔ ان کے خیال میں تقسیم سے قبل مسلم لیگ فقط مسلمانوں کے مفاد اور حقوق کی ترجمان تھی، لیکن اب بحیثیت حکمران جماعت اپنے فرائض کو مسلمانوں تک کیسے محدود رکھ سکتی تھی، سو ضرورت ایسی جماعت کی تھی جس کی رکنیت تمام مذاہب کے لئے ہو۔ اس ضمن میں انہوں نے نئی جماعت کا نام "پاکستان لیگ" تجویز کیا۔[۴] اس ضمن میں قائداعظم محمد علی جناح کے بھی قریباً" اسی قسم کے خیالات کا پتہ چلتا ہے، نواب آف قلات احمد یار خان سے ملاقات میں قائداعظم نے کہا تھا کہ "مسلم لیگ نے اپنا مقصد، پاکستان کا قیام، حاصل کر لیا ہے، اس کے باقی اغراض و مقاصد ثانوی نوعیت کے ہیں"[۵] اس اجلاس میں قائداعظم نے اس موضوع پر اظہار خیال نہیں فرمایا۔ دیگر زعماء لیگ جن میں سردار عبدالرب نشتر اور لیاقت علی خاں پیش پیش تھے اس نکتہ کی شدید مخالفت کی۔ اس قرارداد کو بحث کے بعد اجلاس نے کثرت رائے سے منظور کر لیا، قرارداد کی مخالفت فقط دس ممبران نے کی، جن میں سہروردی، میاں افتخار الدین

اور زیڈ ایچ لاری شامل تھے۔ لیاقت علی خان کو پاکستان مسلم لیگ کا اور محمد اسماعیل کو انڈیا مسلم لیگ کا کنوینز مقرر کیا گیا۔[6]

ابتداء و ابتلاء ۱۹۴۷-۵۸ء

پاکستان مسلم لیگ کا پہلا اجلاس، کراچی میں فروری ۱۹۴۸ء میں طلب کیا گیا۔ اجلاس کے پہلے سیشن میں لیاقت علی خاں نے مسلم لیگ کے مجوزہ آئین کا مسودہ برائے توثیق پیش کیا۔ اس دستاویز پر غور و خوض کے لئے ایک آئینی ذیلی مجلس سردار عبدالرب نشتر کی سربراہی میں تشکیل دی گئی۔ ۲۵-۲۴ فروری کو ذیلی مجلس کی رپورٹ پر بحث و تمحیص کے بعد مجوزہ آئین منظور کر لیا گیا۔[7] دو اہم ترامیم کے سوا، آل انڈیا مسلم لیگ کے آئین کو برقرار رکھا گیا۔

پہلی ترمیم کی رو سے حکومتی عہدہ اور جماعتی عہدہ اکٹھا نہیں رکھا جا سکتا تھا اور دوسری ترمیم کی رو سے پارلیمانی بورڈ کے ممبران پر صوبائی و مرکزی مجلس قانون ساز کے انتخاب لڑنے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ پہلی ترمیم ۲۵ فروری کے اجلاس میں مباحثہ کا سبب بنی۔ قائداعظم کا خیال تھا کہ حکومتی و جماعتی عہدہ کا اکٹھا نہ ہونا، حکومت اور جماعت میں مسلسل رسہ کشی کا باعث بنے گا، انہوں نے تجویز کیا کہ اس کو آئین کا حصہ بنانے کی بجائے روایت بنانا چاہئے۔ (یہ ترمیم بعدازاں مسلم لیگ کے لئے مستقل باعث آزار رہی کبھی اسے آئین کا حصہ بنا دیا جاتا تو کبھی ختم کر دیا جاتا)۔ اس موقعہ پر پیر مانکی شریف نے تجویز پیش کی کہ قائداعظم کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ اس تجویز کو قائداعظم نے رد کر دیا۔[8] قائداعظم کی تجویز پر رائے شماری کروائی گئی، جو کہ دس ووٹ سے شکست سے دوچار ہوئی۔ اس موقعہ پر ایک کونسلر نے تجویز کیا کہ مس فاطمہ جناح کو جماعت کا صدر بنا دیا جائے۔ کونسلر حضرات کے غیر سنجیدہ رویہ سے دلبرداشتہ ہو کر قائداعظم اجلاس کی صدارت چھوڑ کر چلے گئے۔[9] ۲۶ فروری کے اجلاس میں بھی اسی قسم کے مناظر دیکھنے میں آئے، کونسلر حضرات کی بحث و تکرار بڑھ کر ہڑبونگ کی صورت اختیار کر گئی، قائداعظم کا انتباہ بھی صورتحال بہتر نہ کر سکا، مجبوراً انہیں پھر اجلاس چھوڑ کر جانا پڑا۔[10] مسلم لیگی کونسلر حضرات کا غیر سنجیدہ رویہ مسلم لیگ کے مستقبل کی طرف واضح اشارہ تھا۔

آئین کی منظوری کے بعد جماعت کی تنظیم نو کے لئے ایک آرگنائزنگ کمیٹی تشکیل دی گئی۔ چوہدری

خلیق الزماں کو چیف آرگنائزر مقرر کیا گیا۔ تنظیم نو کے سلسلے میں بنیادی نوعیت کا کام رکنیت سازی کی مہم تھا۔ اس مہم کے دوران سازشی جوڑ توڑ اور سیاسی دھڑے بندیوں کا آغاز ہوا۔ چوہدری خلیق الزمان اور ان کے حواریوں نے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کر کے مخالف دھڑوں کی رکنیت سازی کی راہ میں روڑے اٹکائے۔

> "لیگی کارکنوں اور رہنماؤں نے جس پست کرداری کا مظاہرہ کیا اور جس طرح حصول اقتدار کے لئے سازشوں کا جال بچھایا اس سے نہ صرف مسلم لیگ کی ساکھ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا بلکہ پوری قوم کے جذبات کو ٹھیس پہنچی۔"[۱]

رکنیت سازی کی مہم جون ۱۹۴۸ء میں ختم ہو گئی' مگر اس عرصہ میں بھڑکائی جانے والی مفاد پرستی' گروہ بندی اور صوبائی عصبیت کی آگ کی لپٹوں نے جماعت کو گھیرے میں لے لیا۔ صوبہ سرحد میں خان عبدالقیوم خان کے رویئے نے پیر مانکی شریف کو جماعت سے علیحدگی پر مجبور کر دیا' سندھ میں اسی قسم کی صورتحال ایوب کھوڑو اور پیر الٰہی بخش کے مابین ہوئی۔ مسلم لیگی ارکان میں قیام پاکستان کے بعد جماعت سے بیزاری پیدا کرنے اور نئی جماعتیں تشکیل دینے کا رویہ بیدار کرنے میں اس مہم نے بھرپور کردار ادا کیا۔ اس بات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ قیام پاکستان کے بعد بننے والی زیادہ تر جماعتیں مسلم لیگ کے ناراض ارکان نے بنائیں۔ نومبر ۱۹۴۸ء میں مشرقی پاکستان میں مسلم لیگی ارکان نے "پروگریسو پارٹی" کا سنگ بنیاد رکھا' اگلے ہی سال اپریل ۱۹۴۹ء میں پنجاب میں عبدالقیوم کی قیادت میں "پروگریسو فرنٹ" قائم کیا گیا۔[۲] نئی قائم ہونے والی جماعتوں میں حسین شہید سہروردی کی عوامی لیگ نمایاں تھی' جس نے بعد ازاں موثر حزب اختلاف کا کردار ادا کیا۔ ۲۰ فروری ۱۹۴۹ء کو نئی منتخب شدہ کونسل کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں چوہدری خلیق الزماں کو صدر مسلم لیگ منتخب کیا گیا۔ باقی ارکان کی تفصیل کچھ یوں تھی: جنرل سیکرٹری۔ یوسف خٹک' نائب صدر۔ مولانا عبدالباقی' جوائنٹ سیکرٹری۔ غیاث الدین اور نبی بخش۔ صوبہ پنجاب' جس میں پرائمری ارکان کی تعداد سب سے زیادہ تھی' کو سازش کے تحت کابینہ سے باہر رکھا گیا۔[۳]

چوہدری خلیق الزماں فروری ۱۹۴۹ء سے مارچ ۱۹۵۰ء تک مسلم لیگ کے صدر رہے۔ وہ بھرپور کوشش کے باوجود اپنے لئے مقام بنانے میں ناکام رہے۔ مسلم لیگ میں گروہ بندی اور انتشار بتدریج بڑھتا رہا اور عوام ان کی قیادت سے مایوس ہو گئے۔ تنظیمی کشمکش اور حکومت سے ناکام ٹکراؤ کے بعد ان کی حیثیت اتنی

کمزور ہو چکی تھی کہ اپنی رہائشگاہ کے باہر مہاجرین کے ایک مظاہرے کے بعد وہ ۱۳ اگست ۱۹۵۰ء کو مستعفی ہو گئے۔[۱۴] خلیق الزماں کا دور صدارت تین حوالوں سے اہم ہے:

اول۔ خلیق الزماں کی شخصی مفاد کی خاطر گروہ بندی کی پشت پناہی تو رکنیت سازی کی مہم کے دوران ہی واضح ہو گئی تھی، مگر یہ روایت جماعت میں ان کے دور صدارت میں باقاعدہ جڑ پکڑ گئی۔

دوم۔ جماعت کو حکومت کا غالب ادارہ بنانے کی ناکام کوشش۔ اس کوشش کے نتیجے میں انہیں فقط لیاقت علی کی مخالفت حاصل ہوئی، جو وہ شخصی اور نہ ہی تنظیمی اعتبار سے برداشت کرنے کے متحمل تھے۔

سوم۔ اس دور صدارت میں ایک اور بات جو واضح ہو کر سامنے آئی وہ دہری قیادت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل تھے، خاص طور پر جب جماعتی عہدہ ایک کمزور شخصیت کے پاس ہو۔ کچھ گروہ گر وزیراعظم کے حمایت یافتہ تھے تو کچھ صدر مسلم لیگ کے۔ اس ضمن میں لیاقت علی کا رویہ بھی کچھ قابل تعریف نہ تھا۔

چوہدری خلیق الزماں کے استعفیٰ کے بعد ۷ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ورکنگ کمیٹی نے آئین میں ترمیم کر کے جماعتی و حکومتی عہدہ کا کسی ایک ہی شخص کے پاس ہونا جائز قرار دے کر لیاقت علی خاں کی راہ صاف کر دی ۔ اسی روز کونسل کے اجلاس میں لیاقت علی خان کو متفقہ طور پر صدر منتخب کر لیا گیا۔ لیاقت علی خاں نے گرچہ صدر کا عہدہ تو حاصل کر لیا مگر حکومتی سرگرمیوں کے باعث جماعت کو وقت نہ دے پائے ۔ کہاں تو وہ جماعت جو حکومت پر اپنی برتری جتانے کی کوشش میں تھی، اب وہ حکومتی ترجمان میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اس کا مقصد حکومتی افعال کی پذیرائی کے سوا کچھ اور نہ رہا تھا ۔ یہ ایک بیمار رجحان کا آغاز تھا، جو مسلم لیگ پر بہت عرصہ پیر تسمہ پا کی مانند سوار رہا۔

بدقسمتی سے لیاقت علی خان کے دور میں ہی مزید دو ایسے رجحانات جڑ پکڑتے نظر آتے ہیں، جن کے مضر اثرات آج تک سیاسی افق پر محسوس کئے جا سکتے ہیں:

اول۔ مسلم لیگی قیادت کا پاکستان کے بارے میں بحیثیت خالق، ملکیتی رویہ، جس کے زیر اثر حزب اختلاف کی وقعت سے چشم پوشی۔ لیاقت علی کے خیال میں مسلم لیگ کی موجودگی میں کسی دوسری سیاسی جماعت کی گنجائش نہ تھی۔[۱۵]

دوم۔ حزب اختلاف کے رہنماؤں کی کردار کشی۔ لیاقت علی اپنے سیاسی مخالفین کو برملا "غدار" اور

"بھارتی کتے" جیسے القابات سے نوازتے۔[16]

ان رجحانات کے باعث نہ صرف ایک صحتمند سیاسی ماحول تشکیل پانے کی راہ میں رکاوٹیں حائل ہوئیں، بلکہ مسلم لیگ بحیثیت جماعت شکست و ریخت کا شکار ہوتی گئی کیونکہ یہی رویہ جماعت میں بھی اپنایا گیا مسلم لیگ کا رویہ "نہ مخالفت میں کوئی جماعت اور نہ جماعت میں کوئی مخالفت" کا تھا۔

لیاقت علی خاں کو ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو راولپنڈی میں جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے قتل کر دیا گیا۔ لیاقت علی کے قتل کے بعد، مسلم لیگ کی پارلیمانی پارٹی سے رجوع کئے بنا، خواجہ ناظم الدین کو وزیراعظم نامزد کر دیا گیا۔ پارلیمانی پارٹی نے نہ صرف یہ فیصلہ قبول کر لیا بلکہ اس فیصلہ کو مزید جواز فراہم کرنے کے لئے انہیں جماعت کی صدارت کے لئے نامزد کر دیا گیا۔ آئین کی رو سے وہ جماعتی عہدہ کے اہل نہ تھے کیونکہ جماعتی عہدہ کے لئے کسی بھی پرائمری لیگ کی کم از کم ایک سالہ رکنیت ضروری تھی ۔ مگر آئین میں ترمیم کر دی گئی اور اگلے ہی روز، ۱۷ نومبر ۱۹۵۱ء کو خواجہ ناظم الدین کو مسلم لیگ کا صدر بھی منتخب کر لیا گیا۔[17] اکتوبر ۱۹۵۲ء میں ڈھاکہ میں ہونے والے اجلاس میں خواجہ ناظم الدین کو دوبارہ صدر مسلم لیگ منتخب کیا گیا۔ خواجہ صاحب کے دور میں جماعت کی تنظیمی حالت دگرگوں ہو گئی۔ ان کی جماعتی امور میں دلچسپی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے دور صدارت ۱۹۵۱-۵۳ء میں ۲۱ ممبران کی ایگزیکٹو کمیٹی بھی نامزد نہ کر سکے۔ صوبائیت کا زہر گرچہ پہلے ہی جڑ پکڑ چکا تھا مگر خواجہ ناظم الدین کے دور صدارت میں یہ پودا برگ و بار کا اہل ہوا۔ نہ صرف جماعتی بلکہ حکومتی سطح پر واضح دھڑے بندیاں ابھر کر سامنے آئیں۔ حکومتی سطح پر آئینی و اقتصادی مسائل کے جھگڑ خواجہ صاحب کی وزارت کو گھیرے رہے۔ خواجہ ناظم الدین کی وزارت کو ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء کو گورنر جنرل غلام محمد نے برطرف کر دیا اور امریکہ میں متعین پاکستانی سفیر محمد علی بوگرہ کو وزیراعظم مقرر کر دیا۔[18]

مسلم لیگ کی پارلیمانی جماعت نے حسب روایت بوگرہ کو بلاچون و چرا اپنا پارلیمانی قائد تسلیم کر لیا۔ یہ وہی جماعت تھی جس نے چند روز قبل خواجہ ناظم الدین کا پیش کردہ بجٹ اکثریت سے منظور کیا تھا۔ ادھر مجلس قانون ساز کے باہر بھی مسلم لیگ اپنی روش پر قائم تھی اور جنرل سیکرٹری چودھری صلاح الدین نے صدر مسلم لیگ کے خلاف عدم اعتماد کے سلسلے میں ۲۶ مئی ۱۹۵۳ء کو اجلاس طلب کر لیا، مگر خواجہ ناظم الدین اس سے قبل ہی ورکنگ کمیٹی کی ۱۳ خالی نشستوں پر نامزدگیاں کرنے کے بعد ۲۰ جون ۱۹۵۳ء کو مستعفی ہو

گئے۔[19] اسوقت مسلم لیگ کی تنظیمی کیفیت کچھ یوں تھی کہ جماعت کی چھ شاخوں میں سے کراچی اور بلوچستان مسلم لیگ معطلی کی حالت میں تھیں، سندھ اور پنجاب میں جماعت دو دھڑوں میں تقسیم تھی اور مشرقی پاکستان میں کارکن اور قائدین جماعت سے متنفر ہو چکے تھے۔[18] اکتوبر ۱۹۵۳ء کو محمد علی بوگرہ کو مسلم لیگ کا چوتھا صدر منتخب کر لیا گیا، ۲۵۸ کونسلر حضرات میں سے فقط ۳۶ نے مخالفت میں ووٹ دیا!![20]

اس تمام سلسلہ نے یہ ثابت کر دیا کہ مسلم لیگی زعماء کی وفاداریاں فقط راج سنگھاسن سے وابستہ تھیں، اقتدار میں رہنے کی شدید خواہش نے ارتقائی عمل کو مفلوج کر دیا تھا۔ ۱۹۴۷ء کی پر عزم جماعت اقتدار کی غلام گردشوں میں ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔ ۱۹۵۴ء میں مشرقی پاکستان کے انتخابات نے جماعت کا رہا سہا بھرم بھی خاک میں ملا دیا۔ مسلم لیگ کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا، وہ ۳۱۰ کے ایوان میں فقط ۱۰ نشستیں حاصل کر سکی۔ صوبے کے مسلم لیگی وزیر اعلیٰ ایک طالب علم رہنما سے شکست کھا گئے۔[21]

انہی دنوں مسلم لیگی زعماء کا ایک بڑا حلقہ، جس کے سرخیل سردار عبدالرب نشتر تھے، نے مسلم لیگ کی تنظیم نو کے سلسلے میں تگ و دو شروع کر دی۔ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے سردار عبدالرب نشتر کے ایماء پر مسلم لیگی کنونشن طلب کرنے کا فیصلہ کیا، مگر مرکزی قیادت پاکستان کے مجوزہ آئین میں بری طرح الجھی ہوئی تھی، سو کنونشن ملتوی ہوتا رہا۔ کنونشن کی تاریخ جولائی ۱۹۵۴ء سے سفر کرتی ہوئی دسمبر ۱۹۵۴ء تک پہنچی۔ دسمبر میں ورکنگ کمیٹی نے آئینی بحران کا عذر لیتے ہوئے کنونشن ایک بار پھر ملتوی کر دیا۔[22] دریں اثناء ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو گورنر جنرل غلام محمد نے "گورنر جنرل کے اختیارات محدود کرنے کے جرم میں پہلی مجلس دستور ساز تحلیل کر دی۔ محمد علی بوگرہ کو نگران وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔[23] دوسری مجلس دستور ساز کے انتخابات میں گرچہ مسلم لیگ نے سب سے زیادہ نشستیں حاصل کیں مگر مشرقی پاکستان میں اس کی کارکردگی مایوس کن تھی، وہ مشرقی پاکستان سے فقط ایک نشست حاصل کر سکی اور وہ بھی وزیر اعظم محمد علی بوگرہ کی۔ مسلم لیگ نے ۸۰ کے ایوان میں کل ۲۶ نشستیں حاصل کیں۔[24]

(دیکھئے جدول- ۲)

مسلم لیگ کی پارلیمانی پارٹی نے چوہدری محمد علی کو اپنا قائد چنا۔ چوہدری محمد علی متحدہ محاذ کے ایک دھڑے سے الحاق کر کے حکومت بنانے میں کامیاب رہے۔ محمد علی بوگرہ نے مسلم لیگ کی صدارت سے ۲۲ اگست ۱۹۵۵ء کو استعفیٰ دے دیا۔ عہدہ صدارت جنوری ۱۹۵۶ء تک خالی رہا چونکہ چوہدری محمد علی نے صدر

بننے سے انکار کر دیا تھا!! اس دوران نائب صدر میر غلام علی تالپور' قائمقام صدر کے فرائض انجام دیتے رہے۔[۲۵] مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ۲۸-۲۹ جنوری ۱۹۵۶ء کو ہوا جس میں سردار عبدالرب نشتر کو صدر منتخب کر لیا گیا۔ سردار عبدالرب نشتر کی صورت میں مسلم لیگ کو ایک عرصہ بعد باقاعدہ صدر نصیب ہوا۔ انہوں نے اپنے دور میں جماعت کا کھویا ہوا وقار بحال کرنے کی اپنی سی بھرپور کوشش کی۔ ان کا مندرجہ ذیل بیان ان کے عزائم کا عکاس تھا:

"جماعتیں اور عوام طاقت کا اصل سرچشمہ ہیں اور آپ کو حکومت میں رہنے کے لئے ان کا اعتماد درکار ہے۔"[۲۶]

مسلم لیگ کے پارلیمانی قائد کا جماعتی قیادت قبول نہ کرنا اور جماعتی قیادت کا سیاستدانوں کے سامنے عوام کے واسطے سے جماعتوں کی ایک سیاسی نظام میں اہمیت بیان کرنا' مثبت اقدام تھے۔ ون یونٹ کے قانون کی منظوری کے بعد مغربی پاکستان کا صوبہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو وجود میں آیا۔ نواب مشتاق احمد گورمانی گورنر اور ڈاکٹر خان صاحب وزیراعلیٰ مقرر کئے گئے۔ نئے صوبہ کی ۳۱۰ نشستوں کے لئے بالواسطہ انتخابات گرچہ غیرجماعتی بنیادوں پر منعقد ہوئے مگر مغربی پاکستان کی سابقہ صوبائی مجالس میں مسلم لیگی اکثریت کے باعث منتخب ارکان کی اکثریت کا تعلق مسلم لیگ سے تھا۔[۲۷]

سردار عبدالرب نشتر کے ایماء پر ۲۲۷ ممبران پر مشتمل پارلیمانی گروہ تشکیل دیا گیا جس کا قائد سردار بہادر خان کو مقرر کیا گیا' مگر غیر جماعتی ایوان میں صدر کے حمایت یافتہ عبوری وزیراعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب کو کھل کھیلنے کا موقعہ مل گیا تھا اور وہ تمام ریاستی ہتھکنڈوں کا آزادانہ استعمال کرتے ہوئے ری پبلکن پارٹی کا ڈول ڈال چکے تھے۔ ۲۰ مئی ۱۹۵۶ء کو اسمبلی کے صدر کے انتخاب کے معرکہ میں ری پبلکن پارٹی کے امیدوار ایک ووٹ سے جیت گئے۔[۲۸] مغربی پاکستان کی مجلس قانون ساز میں ری پبلکن پارٹی کا قیام اور فتح جہاں نہ صرف ریاستی طاقت کے استعمال کی بدترین مثال تھی' وہیں مسلم لیگ کی صفوں میں نظریاتی بند کی کمزوری اور تنظیمی ضبط کے فقدان کی مظہر بھی تھی۔

محلاتی سازشوں اور سیاسی قلابازیوں سے اکتا کر چوہدری محمد علی نے نہ صرف وزارت سے بلکہ مسلم لیگ کی رکنیت سے بھی استعفیٰ دے دیا۔ چوہدری محمد علی کے استعفیٰ کے ساتھ ہی مسلم لیگ کا قریباً ۹ سال پر محیط عرصہ حکومت اختتام کو پہنچا۔ اکتوبر ۱۹۵۷ء میں سہروردی کے استعفیٰ کے بعد آئی آئی چندریگر کی زیرقیادت

مسلم لیگ ری پبلکن پارٹی کی حمایت سے ایک بار پھر حکومت بنانے میں کامیاب ہوئی مگر یہ حکومت فقط دو ماہ برقرار رہی۔[۲۹] سردار عبدالرب نشتر ۱۴ فروری ۱۹۵۸ء کو وفات پا گئے۔ سردار عبدالرب نشتر کا دور صدارت تین حوالوں سے مسلم لیگ کی تاریخ میں اہم ہے:

اول۔ مسلم لیگ نے عوام سے منقطع رابطے بحال کرنے کی کوشش کی، اور عوام نے جماعت کی بھرپور پذیرائی کی۔

دوم۔ جماعت، حکومت کے سایہ سے نکل کر اپنی انفرادی حیثیت میں سامنے آئی۔

سوم۔ جماعت کو حکومت کا غالب ادارہ بنانے کی کامیاب سعی کی گئی۔

اس دور میں ہمیں مسلم لیگ کے انداز سیاست میں واضح تبدیلی نظر آتی ہے۔

خان عبدالقیوم خان کو سردار عبدالرب نشتر کی جگہ صدر منتخب کیا گیا۔ عبدالقیوم خان کے مختصر دور میں مسلم لیگ نے کافی جارحانہ انداز سیاست اپنایا۔ خان صاحب نے انتخابات کی تاریخ کا اعلان نہ ہونے کے نتیجے میں سول نافرمانی کی تحریک چلانے کا اعلان کر دیا۔ مسلم لیگ ابھی اپنے نئے انداز سیاست میں پر تول رہی تھی کہ ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ عبدالقیوم خان کو مارشل لاء کے خلاف تقاریر کے جرم میں پس زنداں ڈال دیا گیا۔[۳۰]

گردش ماہ و سال ۷۰-۱۹۶۲ء

۱۹۵۸ء میں سیاسی جماعتوں پر لگائی گئی بندش ۱۶، جولائی ۱۹۶۲[۳۱] کو اٹھا لی گئی۔ ۶۰ء کی دہائی میں مسلم لیگ تین دھڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ مسلم لیگ کے آئین کی رو سے "کونسل" جماعت کا اعلیٰ ترین ادارہ ہے۔ کونسل کا اجلاس جماعت کا جنرل سیکرٹری طلب کر سکتا ہے۔ جنرل سیکرٹری کی عدم موجودگی میں یہ اجلاس صدر/ قائم مقام صدر (نائب صدر) کی ہدایت پر جوائنٹ سیکرٹری بھی طلب کر سکتا ہے۔ ۷۵ یا اس سے زیادہ کونسلر حضرات بھی ایک دستخط شدہ نوٹس کے ذریعے اجلاس طلب کرنے کے مجاز ہوتے ہیں۔ جماعت کا دوسرا اہم ادارہ "کنونشن" ہے، کنونشن صوبائی و مرکزی کونسلوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کا اجلاس بلانے کے لئے آئین میں کوئی ضابطہ طے نہیں کیا گیا۔[۳۲] انہی دو اداروں کا استعمال کرتے ہوئے مسلم لیگ کے دو اہم دھڑے وجود میں آئے۔

(ا) کنونشن مسلم لیگ

یہ جماعت ایوب خاں کے گرد رقصاں سیاستدانوں کی کاوش تھی۔ سیاسی جماعتوں کی بحالی کے بعد حکومت کو سیاسی افق پر ایک ترجمان کی ضرورت تھی جو اس کی سرگرمیوں کی نہ صرف مدح سرائی کرے بلکہ سیاسی میدان میں دفاع بھی کرے تاکہ حکوت کو ایک جمہوری جواز مہیا کیا جا سکے۔ حکومت کے حواریوں کا سرکاری آشیرباد کے لئے مسلم لیگ کا انتخاب مندرجہ ذیل عوامل کے باعث تھا۔

اول۔ مسلم لیگ تنظیمی طور پر خاصی کمزور ہو چکی تھی' اس انتشار کے باعث پرانی قیادت کی جاء نئی قیادت لے آنا کار دشوار نہ تھا مزید برآں حکومت کو اس سے پیشتر بھی خاصے لیگی زعماء کی حمایت حاصل تھی۔

دوم۔ مسلم لیگ میں گرچہ تنظیمی کشش تو نہ تھی مگر تحریک پاکستان سے اس کا تعلق نظریاتی کشش کا باعث تھا۔

سوم۔ لیگی زعماء کی اکثریت کا تعلق جاگیردار طبقہ سے تھا جسکی روایات میں نوآبادیاتی دور سے ہی وفاداری شاہ امر کا درجہ رکھتی تھی' سو اس طاقت مائل گروہ کو سدھانا کچھ دشوار نہ تھا۔

"کونسل" کے ذریعے حسب منشا مسلم لیگ بنانے میں ناکامی کے باعث "کنونشن" کا ادارہ استعمال کیا گیا۔ کنونشن کا انعقاد ستمبر ۱۹۶۲ء کراچی میں کیا گیا۔ حکومتی گروہ اپنی سی کوشش کے باوجود کسی اہم راہنما کو کنونشن کی صدارت کے لئے راضی نہ کر پایا' ریاستی آشیرباد حاصل کرنے کی سعادت چوہدری خلیق الزماں کے حصے آئی۔ مسلم لیگ کی تنظیم نو کے لئے آئین کی منظوری دی گئی۔ چوہدری خلیق الزماں کو دوبارہ چیف آرگنائزر کا عہدہ تفویض کیا گیا' "ان کی عمر میں اضافہ ان کے رتبہ میں اضافہ کرنے سے قاصر تھے' جیسے ان کے دعویٰ ہائے قیادت جو اس وقت واضح ہو گئے تھے جب انہیں ۱۹۵۰ء میں مسلم لیگ کی صدارت اور سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرنا پڑی تھی۔"[۳۳] مسلم لیگ (کنونشن) نے مرکزی اور صوبائی مجالس قانون ساز میں پارلیمانی گروہ تشکیل دیئے۔ نومبر ۱۹۶۲ء میں مرکز میں ۷۸ ارکان پر مشتمل گروہ بنایا گیا جس کی رکنیت جون ۱۹۶۴ء میں ۱۰۶ ارکان تک پہنچ گئی۔ محمد علی بوگرہ پہلے قائد بنے۔ مارچ ۱۹۶۳ء میں ان کی وفات کے بعد قیادت عبدالصبور خاں نے سنبھال لی۔

مئی ۱۹۶۳ء میں صدر ایوب خاں نے جماعت کی رکنیت مشرقی و مغربی پاکستان سے حاصل کی۔[۳۴] اکتوبر ۱۹۶۳ء میں ضلع میمن سنگھ مسلم لیگ نے انہیں "کونسلر" منتخب کیا۔ اگلے ہی ماہ قلات' مکران اور خاران کے

اضلاع نے بھی ان کا بطور "کونسلر" انتخاب کیا۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۶۳ء کو ڈھاکہ میں ہونے والے کونسل کے اجلاس میں انہیں کنونشن مسلم لیگ کا صدر منتخب کر لیا گیا۔[۳۵]

کنونشن لیگ کا دور حیات دھڑے بندیوں اور کشمکش سے عبارت ہے۔ جماعت کی تنظیم سے غفلت برتی گئی۔ جماعت کی بنیاد شاہ پرستی پر رکھی گئی تھی اور یہی اس کی بقاء کی ضمانت تھی۔ ۱۹۶۵ء کا صدارتی انتخاب گرچہ ایوب خان نے جماعت کے ٹکٹ پر لڑا، مگر ان کی تمام مہم انفرادی حیثیت میں منظم کی گئی تھی، چونکہ ان کی حمایت کی بنیادیں جماعتی وابستگی کی بجائے افسر شاہی اور بنیادی جمہوریتوں پر استوار تھیں۔ جماعت کا تعلق اپنے صدر سے اور صدر کا تعلق اپنی جماعت سے اس قدر تھا کہ ایوب خان نے اپنا منشور خود وضع کیا جسے بعد میں جماعت نے اپنا لیا۔[۳۶]

گرچہ ۱۹۶۵ء کے مرکزی و صوبائی انتخابات میں کنونشن لیگ غیر معمولی کارکردگی دکھانے میں ناکام رہی، مگر بعد ازاں ریاستی ہتھکنڈوں کے ذریعے یہ کمی پوری کر لی گئی۔ جماعت مرکز اور صوبوں میں واضح اکثریت جمع کرنے میں کامیاب ہوئی۔ کنونشن لیگ کے ارکان کی تعداد مرکزی مجلس قانون ساز میں ۱۳۴، مغربی پاکستان میں ۱۳۰ اور مشرقی پاکستان میں ۱۱۰ تھی۔ (دیکھئے جدول - ۲) ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۸ء تک کنونشن مسلم لیگ پاکستان کے سیاسی منظرنامے پر چھائی رہی، اس دوران ہر ممکن کوشش کی گئی کہ کونسل مسلم لیگ کے دھڑے کو بھی ساتھ ملا لیا جائے مگر یہ کوشش ہر بار ناکام ہوئی۔ ۱۹۶۸ء میں ایوب خان کے خلاف تحریک کا آغاز ہوا تو یہ جماعت اپنے قائد کے دفاع میں کوئی بھی قدم اٹھانے سے معذور رہی۔ فروری ۱۹۶۹ء میں کونسل کے اجلاس میں ایوب خان عہدہ صدارت سے مستعفی ہو گئے۔ مشرقی پاکستان کے فضل القادر چوہدری جماعت کے نئے سربراہ منتخب ہوئے۔[۳۷] ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں کنونشن لیگ نے مغربی پاکستان سے ۳۱ اور مشرقی پاکستان سے ۹۱ امیدوار انتخابات میں کھڑے کئے مگر فقط ۲ نشستیں حاصل کر سکی۔ یہ ۲ نشستیں پنجاب سے حاصل ہوئیں۔ (دیکھئے جدول - ۲) کنونشن مسلم لیگ کا اتحاد اور قومی جماعت ہونے کا دعویٰ ایوب خان کے وجود سے مشروط تھا، "اس کے جاتے ہی یہ تاش کے پتوں کی مانند بکھر گئی۔"[۳۸]

(ب) مسلم لیگ کونسل

مولانا اکرم خاں نے بحیثیت قائمقام صدر مسلم لیگ، جماعتوں کی بحالی کے بعد اگست ۱۹۶۲ء میں مسلم لیگ کونسل کا اجلاس طلب کیا، ان کی یہ حرکت، حکومتی گروہ، جو مسلم لیگ پر قبضہ کرنے کی ابتدائی تیاریوں

میں تھا' کی طبع نازک پر گراں گزری۔ ایوب خان کے حکم پر مولانا اکرم خاں' جو خود بھی حکومت کے تنخواہ دار ملازم[۳۹] تھے' نے اجلاس ملتوی کر دیا۔ بعد ازاں ستمبر ۱۹۶۲ء میں ۷۵ کونسلر حضرات کے جائنٹ سیکرٹری ابوالقاسم کو دستخط شدہ نوٹس کے نتیجہ میں کونسل کا اجلاس ۲۸۔۲۷ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو ڈھاکہ میں ہوا۔ اس اجلاس میں خواجہ ناظم الدین کو اتفاق رائے سے جماعت کا صدر منتخب کر لیا گیا' سردار بہادر خان سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔[۴۰] مسلم لیگ کا یہ دھڑا "کونسل مسلم لیگ" کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ دھڑا کالعدم ہو جانے والی مسلم لیگ سے قریب ترین تھا۔ کونسل مسلم لیگ نے مرکزی مجلس قانون ساز میں ابو القاسم کی قیادت میں پارلیمانی گروہ تشکیل دیا۔ کونسل مسلم لیگ نے پاک پیپلز گروپ کے اشتراک سے مجلس میں حزب اختلاف کی تنظیم کی اور سردار بہادر خان کو اس کا قائد چنا گیا۔ دسمبر ۱۹۶۳ء میں ان کے استعفیٰ کے بعد محمد یوسف خٹک حزب اختلاف کے سربراہ منتخب ہوئے۔

۱۹۶۵ء کے انتخابات سے قبل خواجہ ناظم الدین حزب اختلاف کی جماعتوں کا اتحاد متحدہ حزب اختلاف (COP) کے نام سے تشکیل دینے میں کامیاب ہوئے۔ اس اتحاد میں جماعت اسلامی' کونسل مسلم لیگ' عوامی لیگ' نیشنل عوامی پارٹی اور نفاذ اسلام پارٹی شامل تھیں۔ یہ اتحاد مختلف الخیال جماعتوں کا ایک عجیب سا مجموعہ تھا۔ صوبائیت کے پروردہ' اسلامی انقلاب کے داعی' قومی یکجہتی کے پرچارک' سب اقتدار کے حصول کی خاطر ہاتھ جوڑے بیٹھے تھے۔ صدارتی انتخاب میں متحدہ حزب اختلاف (COP) کی امیدوار فاطمہ جناح کی شکست کے بعد اتحاد کے حوصلے پست ہو گئے' یہاں تک کہ اتحاد نے قومی و صوبائی انتخابات میں بھی جوش و خروش کا مظاہرہ نہیں کیا۔ یہ اتحاد شکست کے بعد پیروں پر کھڑا نہیں ہو پایا۔[۴۱]

خواجہ ناظم الدین اکتوبر ۱۹۶۴ء میں وفات پا گئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد مشرقی پاکستان کے سید محمد افضل کو قائمقام صدر مقرر کیا گیا تھا۔ جون ۱۹۶۵ء میں سید محمد افضل' ابوالقاسم کو ہرا کر مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۶ء میں ا۔بڈو گزیدگان کے میدان سیاست میں دوبارہ قدم رکھنے سے ہلچل پیدا ہوئی۔ کونسل مسلم لیگ کی صدارت کے لئے عبدالقیوم خان اور دولتانہ میں چپقلش چل نکلی۔ بالآخر عبدالقیوم خان صدارتی دوڑ سے پیچھے ہٹ گئے۔ اپریل ۱۹۶۶ء میں ہونے والے انتخابات میں ممتاز دولتانہ کونسل مسلم لیگ کے صدر منتخب کر لئے گئے۔[۴۲] کونسل مسلم لیگ نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مغربی پاکستان سے ۶۹ اور مشرقی پاکستان سے ۵۰ نشستوں پر انتخاب میں حصہ لیا۔ مگر فقط ۷ نشستیں حاصل کر سکی۔ یہ نشستیں کونسل لیگ نے

پنجاب سے حاصل کیں۔[۴۳] (دیکھیں جدول - ۲)

(ج) مسلم لیگ (قیوم گروپ)

پاکستان مسلم لیگ کا تیسرا بڑا گروہ جو انفرادی حیثیت میں منظر پر آیا، وہ مسلم لیگ (قیوم گروپ) تھا۔ خان عبدالقیوم خان ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے موقع پر پاکستان مسلم لیگ کے سربراہ تھے۔ ۱۹۶۶ء میں سیاست میں واپسی کے بعد کونسل مسلم لیگ کی صفوں میں شامل ہو گئے مگر بعد ازاں دولتانہ سے چپقلش کے باعث جماعت سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کیا۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات سے قبل انہوں نے ایک جدا دھڑا تشکیل دیا، جو بعد ازاں مسلم لیگ قیوم گروپ یا قیوم لیگ کے نام سے جانا گیا۔[۴۴] ۱۹۷۷ء کے انتخاب میں قیوم لیگ نے مشرقی پاکستان سے ۶۵ اور مغربی پاکستان سے ۶۸ امیدوار کھڑے کئے، قیوم لیگ ۹ نشستیں جیتنے میں کامیاب ہوئی، ۷ سرحد سے سندھ اور پنجاب سے بھی اس کا ایک ایک امیدوار کامیاب ٹھہرایا گیا۔[۴۵] (دیکھیں جدول - ۲)

پائے رفتن نہ جائے ماندن ۷۷-۱۹۷۰

۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۷ء تک کا عرصہ مسلم لیگ کا تاریک ترین باب تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس عرصہ میں مسلم لیگ سیاسی منظرنامہ پر کچھ بھی رقم کرنے سے قاصر رہی۔ اس بحرانی دور کے مندرجہ ذیل اسباب بیان کئے جاسکتے ہیں:

اول۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں مسلم لیگ تین دھڑوں میں بٹ چکی تھی کنونشن لیگ کی سیاست کا محور ایوب خان کی ذات اور اختیارات تھے جوں ہی انہوں نے صدر پاکستان کا عہدہ چھوڑا جماعت کا کاغذی مکان بھی سیاسی جھکڑوں کے آگے نہ ٹھہر سکا۔ کونسل لیگ گرچہ بہتر حالت میں تھی مگر تنظیمی فقدان اور قیادت کے بحران نے اسے بھی کنونشن کی صفوں میں لا کھڑا کیا۔

دوم۔ ایوب خاں کے خلاف عوامی تحریک سے ذوالفقار علی بھٹو نہایت طاقتور عوامی راہنما بن کر ابھرے تھے مسلم لیگی قیادت نے ۱۹۴۷ کے بعد عوام سے رابطے بحال کرنے کی کبھی کوشش نہ کی تھی سو کمزور لیگی قیادت کو سیاسی محاذ پر پسپائی کے سوا کوئی راہ نہ سوجھی۔

سوم۔ تنظیمی ضبط کے فقدان کے باعث جماعت کے لئے کوئی واضح حکمت عملی ترتیب دینا ممکن نہ تھا۔

کونسل لیگ کے سربراہ میاں ممتاز دولتانہ انگلستان میں سفیر نامزد ہونے کے بعد اپنی جماعت کو خیرباد کہہ گئے۔ کونسل لیگ کے دیگر راہنما بھی پیپلزپارٹی کی حکومت میں شمولیت کے لئے پر تول رہے تھے۔ ۱۹۷۲ء میں کونسل لیگ اور کنونشن لیگ کو آپس میں ضم کر دیا گیا۔ حسن۔ اے شیخ اس کے صدر اور ملک محمد قاسم جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔[۴۶] مسلم لیگ کے تیسرے دھڑے قیوم لیگ کے سربراہ خان عبدالقیوم خان نے پیپلزپارٹی کے ساتھ اتحاد کر لیا اور مرکزی حکومت میں بحیثیت وزیر داخلہ شرکت کر لی۔

۱۹۷۳ء میں مسلم لیگی زعماء نے جماعت کو دوبارہ متحرک کرنے کی غرض سے پیر صاحب آف پگاڑا شریف کو جماعت کی کرسی صدارت سونپی ۔[۴۷] پاکستان مسلم لیگ تمام مساعی کے باوجود ایک موثر حزب اختلاف کا کردار ادا کرنے میں ناکام رہی۔ فروری ۱۹۷۳ء میں تشکیل دیئے جانے والے متحدہ جمہوری محاذ (United Democratic Front) میں مسلم لیگ شامل تھی۔ اس اتحاد کے دیگر ارکان میں جماعت اسلامی، پاکستان جمہوری پارٹی، جمعیت علمائے اسلام اور جمعیت علمائے پاکستان (نورانی) شامل تھے۔ عبدالولی خان کو اتحاد کا سربراہ مقرر کیا گیا تھا۔ اتحاد کی قیادت کے آپس میں شخصی اختلاف کے باعث یہ اتحاد کوئی قابل ذکر کارکردگی دکھانے میں ناکام رہا۔ پاکستان مسلم لیگ کو اس وقت ریاستی غیظ و غضب کا سامنا کرنا پڑا جب پیپلز پارٹی کے دو منحرف ارکان، غلام مصطفیٰ کھر اور حنیف رامے، جماعت میں شامل ہوئے۔[۴۸]

پاکستان مسلم لیگ نے پاکستان قومی اتحاد (PNA) کے بینر تلے ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں حصہ لیا مگر کوئی قابل ذکر کارکردگی نہ دکھا سکی۔ بعد ازاں پیپلزپارٹی کی حکومت کے خلاف تحریک میں بھی شامل رہی۔

آمریت، مسلم لیگ اور اقتدار کی غلام گردشیں ۸۸۔۱۹۷۷

۱۹۷۷ء میں قومی اتحاد کی تحریک کے نتیجے میں جنرل محمد ضیاء الحق نے مارشل لاء کا نفاذ کر دیا۔ پاکستان مسلم لیگ گرچہ قومی اتحاد کا حصہ تھی مگر تحریک کے دوران جماعت کا کوئی قابل ذکر کردار نظر نہیں آتا۔ مسلم لیگ پیر پگاڑا کی قیادت میں مارشل لاء کے ایام میں سیاسی افق پر دوبارہ طلوع ہوئی۔ پاکستان مسلم لیگ نے اس تمام عرصہ میں پیر پگاڑا کے زیر قیادت مارشل لاء موافق رویہ اپنائے رکھا۔ جماعت ایک بار پھر ریاستی سائبان تلے پھلنے پھولنے لگی۔

پاکستان مسلم لیگ کی قیادت میں ایک گروہ اس رجحان کا مخالف تھا۔ جب پیر پگاڑا نے مارشل لاء حکومت

میں جماعت کی شمولیت کے لئے جنرل ضیاء سے مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا تو محمد حسین چٹھہ، ملک محمد قاسم اور خواجہ خیر الدین کی قیادت میں اس گروہ نے مزاحمت کی۔ ان قائدین نے کونسل کا اجلاس طلب کرنے پر اصرار کیا، پیر پگاڑا نے مخالفت کے خوف سے تاخیری حربے استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ نتیجہ" ۷۵ کونسلر حضرات کے دستخط شدہ دستاویز کے ذریعے لاہور میں کونسل کا اجلاس طلب کیا گیا۔

چوہدری محمد حسین چٹھہ کی زیرِ صدارت ہونے والے اس اجلاس میں پیر پگاڑا کو صدارت سے سبکدوش کرنے کی قرارداد بھاری اکثریت سے منظور کر لی گئی۔ اسی اجلاس میں جماعت کے نئے عہدیداران کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ چوہدری محمد حسین چٹھہ صدر، خواجہ خیر الدین نائب صدر اور ملک محمد قاسم جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ پیر پگاڑا نے اس تمام کارروائی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔[۴۹]

چوہدری محمد حسین چٹھہ نے صدارت سے کچھ عرصہ بعد استعفیٰ دے دیا۔ خواجہ خیر الدین جماعت کے نئے صدر منتخب کئے گئے۔ یہ دھڑا پہلے چٹھہ گروپ اور بعد ازاں خواجہ خیر الدین گروپ کے نام سے جانا گیا۔ پاکستان قومی اتحاد جس میں مسلم لیگ بھی شامل تھی، کے قائدین نے تصفیہ کرانے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ بعدازاں قومی اتحاد کی قیادت نے مسلم لیگ پگاڑا گروپ کو "اصل" مسلم لیگ کی حیثیت سے قبول کر لیا۔۵۰

۱۹۸۳ء میں حزب اختلاف کی جماعتوں نے بحالی جمہوریت کے لئے تحریک کا آغاز کیا۔ مسلم لیگ پگاڑا گروپ نے تحریک میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ مسلم لیگ چٹھہ گروپ نے اس تحریک میں شرکت کی۔ [۵۱] پیر پگاڑا صدر مسلم لیگ کا رویہ اس تمام عرصہ میں خاصا دلچسپ رہا۔ وہ برسرعام فوج سے اپنے تعلق کا اظہار کرتے۔ جماعت کے مختلف ادارے گرچہ متحرک تو رہے مگر صدر کے ساتھ کسی قسم کی مطابقت نہ تھی ۔ جب غیرجماعتی بنیادوں پر انتخابات کا اعلان کیا گیا تو مسلم لیگ (پگاڑا) کی ورکنگ کمیٹی نے اس کی شدید مخالفت کی۔ اس مخالفت کے اگلے ہی روز پیر پگاڑا نے ایک بیان میں ورکنگ کمیٹی کی قرارداد کو رد کرتے ہوئے غیرجماعتی بنیادوں پر ہونے والے انتخابات کی حمایت کر دی۔[۵۲] پیر صاحب کے اس رویہ کے باعث جماعتی عہدیداران کے ساتھ ان کی چپقلش چلتی رہی۔ مارشل لاء حکومت نے ۱۹۸۷ء میں کیا جانے والا انتخابات کا وعدہ ۱۹۸۵ء میں وفا کیا، مگر اپنی شرائط پر۔ انتخابات کا انعقاد غیرجماعتی بنیادوں پر کیا جانا تھا۔

مسلم لیگ (خواجہ خیر الدین) اور تحریک بحالی جمہوریت میں شامل جماعتوں نے احتجاجاً" انتخابات کا

بائیکاٹ کر دیا۔ مسلم لیگ (پگاڑا) نے ہر حکومتی اقدام کی حمایت و اقتداء کی روش پر کاربند رہتے ہوئے' انتخابات میں بھرپور حصہ لیا۔ صدر ضیاء الحق کو جمہوری عمل جو کسی بھی انداز میں مروج اختیاراتی ترکیب پر اثر انداز ہو قابل قبول نہ تھا۔ سو جمہوری عمل میں حسب خواہش تبدیلی کر کے وہ ایک بند تو باندھ چکے تھے' اس ضمن میں دوسرا قدم انہوں نے ایک غیرمعروف سیاستدان محمد خان جونیجو کو وزیراعظم نامزد[۵۳] کر کے اٹھایا۔ محمد خان جونیجو کا تعلق مسلم لیگ (پگاڑا) سے تھا اور وہ اس کھیل کے دوسرے اہم کھلاڑی پیر پگاڑا کے مرید بھی تھے۔

محمد خان جونیجو کے انتخاب سے قبل' پیر صاحب اور صدر ضیاء کو اس وقت شدید دھچکا لگا جب فخر امام ان کے حمایت یافتہ امیدوار کو شکست دے کر سپیکر منتخب ہو گئے۔[۵۴] محمد خان جونیجو کے انتخاب کو یقینی بنانے کے لئے ایوان میں خفیہ کی بجائے عیاں رائے شماری کروائی گئی' جس کے نتیجہ میں محمد خان جونیجو حسب توقع وزیراعظم منتخب کر لئے گئے۔ سپیکر کے انتخاب میں سرکاری حمایت یافتہ امیدوار کی شکست نے ایک بات واضح کر دی تھی کہ غیرجماعتی ایوان میں کسی بھی وقت کوئی غیرمتوقع تبدیلی آ سکتی تھی۔ حکومتی ارکان نے بھی جماعت کے قیام پر زور دینا شروع کر دیا تھا۔ مزید برآں صدر ضیاء مارشل لاء کی چھتری تلے یہ تمام عمل جاری نہ رکھ سکتے تھے۔ ان عوامل کے پیش نظر محمد خان جونیجو کی صدارت میں ''سرکاری'' مسلم لیگ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ء کو مارشل لاء اٹھانے سے قبل ابتدائی انتظامات مکمل کر لئے گئے تھے۔ مارشل لاء کے اختتام کے ساتھ ہی سیاسی جماعتیں بحال کر دی گئیں۔ ۱۹ جنوری ۱۹۸۶ء کو مسلم لیگ (پگاڑا) کونسل کے اجلاس میں پیرپگاڑا نے صدارت سے استعفیٰ دے دیا اور محمد خان جونیجو وزیراعظم پاکستان کو مسلم لیگ کا نیا صدر منتخب کر لیا گیا۔ وزیراعظم کی اقتداء میں تمام وزرائے اعلیٰ نے بھی صوبائی مسلم لیگ کی تنظیموں کی صدارت سنبھال لی۔ مسلم لیگ نے ایک بار پھراقتدار کی غلام گردشوں میں جنم پایا۔ اس موقعہ پر ایک سیاستدان نے خوب تبصرہ کیا' پگاڑا کہتے تھے' کہ ''مسلم لیگ حکومت بنائے گی مگراب تو حکومت نے مسلم لیگ بنا لی''۔

محمد خان جونیجو نے ملکی سطح پر تنظیم نو کرنے کا اعلان کیا اور ناراض لیگی راہنماؤں کو دوبارہ مسلم لیگ کی صفوں میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ مئی ۱۹۸۶ء میں حکومتی حلقوں کو اس وقت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا جب سپیکر قومی اسمبلی فخر امام نے رولنگ دی کہ وزیراعظم کا جماعتی عہدہ رکھنا غیرآئینی ہے۔ آئین کی یہ کجی صدر

ضیاء نے فی الفور ایک آرڈیننس کے ذریعے دور کر دی۔ وزیر اعظم جوابی کاروائی کے طور پر سپیکر کے خلاف عدم اعتماد کی قرارداد منظور کرانے میں کامیاب رہے۔[۵۵] اور نہ صرف پہلی شکست کا بدلہ لے لیا گیا، بلکہ آئندہ بھی اس قسم کی ناگوار صورت پیدا ہونے کا تدارک کر دیا گیا۔

مسلم لیگ کو عوامی سطح تک منظم جماعت بنانے کا دعویٰ، دعویٰ ہی رہا۔ مسلم لیگی قائدین نے حسب توقع تنظیم سے بے توجہی برتی۔ ۱۹۸۸ء کے لوکل باڈیز کے انتخابات میں گرچہ مسلم لیگ کامیاب رہی مگر یہ واضح ہو کر سامنے آگیا کہ جماعت تنظیمی اور جماعتی ضبط کے فقدان کا شکار ہے۔[۵۷] جماعت کی صفوں میں انتشار اور قائدین کی آپس میں رسہ کشی بدستور جاری رہی جس نے ۱۹۸۸ء میں حکومت کی برطرفی کے بعد سنگین صورت اختیار کی۔ ۱۹۸۶ء میں پنجاب میں وزیر اعظم نواز شریف اور پرویز الٰہی کی چپقلش اس حد تک بڑھ گئی کہ صدر ضیاء اور وزیر اعظم جونیجو کو خود لاہور آکر بزور مصالحت کرانا پڑی۔[۵۸]

مسلم لیگ (پگاڑا) سے علیحدگی اختیار کرنے والے گروپ، مسلم لیگ خواجہ خیر الدین کے حالات بھی کچھ اچھے نہ تھے۔ ۱۹۸۶ء میں صدر خواجہ خیر الدین اور جنرل سیکرٹری ملک محمد قاسم کے آپس میں اختلافات شدت اختیار کر گئے۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو لاہور میں خواجہ خیر الدین کی سربراہی میں ورکنگ کمیٹی نے ملک محمد قاسم کو معزول کر کے ان کی رکنیت ختم کر دی۔ اسی دن راولپنڈی میں کونسل کے اجلاس میں خواجہ خیر الدین کو عہدہ صدارت سے سبکدوش کر دیا گیا۔[۵۹] یوں مسلم لیگ کے دو نئے گروہ، خواجہ خیر الدین اور ملک محمد قاسم کی زیر قیادت سیاسی افق پر نمودار ہو گئے۔

وزیر اعظم محمد خان جونیجو اپنی جدا حیثیت تسلیم کرانے کی کوشش میں صدر ضیاء سے دور ہوتے گئے، اس کوشش میں وہ ان کے اختیاراتی محور میں بھی دخل اندازی کے مرتکب ہو رہے تھے۔ مارشل لاء پر ان کی برسرعام تنقید اور سیاسی فضا جس میں پیپلز پارٹی آزادانہ اپنی سیاسی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھی، صدر ضیا کو قطعاً نہ بھائی۔ وزیر اعظم نے جنوری ۱۹۸۶ء میں کابینہ میں ردوبدل کیا تو صدر کے منظور نظر افراد ڈاکٹر محمد اسد، جنرل مجیب الرحمٰن، محبوب الحق اور ظفر اللہ جمالی کو کابینہ سے خارج کر دیا۔ صدر ضیاء خارجہ تعلقات کو اپنی خاص عملداری گردانتے تھے نومبر ۱۹۸۷ء میں صاحبزادہ یعقوب علی خان جو ان کے دست راست تصور کئے جاتے تھے، کو وزیر خارجہ کے عہدے سے فارغ کر دیا گیا۔[۶۰]

۱۹۸۸ء میں مسئلہ افغانستان پر بلائی جانے والی کانفرنس اور اوجڑی کیمپ کے اسلحہ ذخیرہ میں دھماکہ، جس

کا ذمہ دار جونیجو فوج کو سمجھتے تھے' بڑھتی ہوئی چپقلش میں آخری موڑ ثابت ہوئے۔ کریگ بیکسٹر (Bexter Craig) کے خیال میں جونیجو کا وزیراعظم کی حیثیت میں فوج کے معاملات میں نفوذ وہ بنیادی سبب تھا جو صدر ضیاء کے انتہائی اقدام پر منتج ہوا۔[61] ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے محمد خان جونیجو کی حکومت برطرف کر دی اور قومی و صوبائی مجالس قانون ساز تحلیل کر دیں۔ مسلم لیگ ۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۸ء کے دور میں حسب سابق حکومتی ترجمان کا کردار تو ادا کرتی رہی مگر ایک منظم سیاسی جماعت کی شکل اختیار کرنے میں ناکام رہی۔ حکومتی و جماعتی عہدوں کا یکجا رکھنا سودمند ثابت نہ ہوا۔ صدر مسلم لیگ محمد خان جونیجو اس تمام عرصہ میں اپنی ورکنگ کمیٹی نامزد نہ کر سکے۔ مئی ۱۹۸۷ء میں مسلم لیگی حلقوں کی طرف سے جماعت کے دھڑوں کو متحد کرنے کی کوشش کی گئی' ان کے نمائندوں کو راولپنڈی میں افہام و تفہیم کے لئے مذاکرات کی دعوت دی گئی۔ نمائندوں کے پہنچ جانے کے بعد میزبان صدر سرکاری مسلم لیگ دستیاب نہ ہو سکے۔[62] (مسلم لیگی دھڑوں کے لئے دیکھئے جدول- ۳) یوں مسلم لیگ کو متحد کرنے کا ایک سنہری موقع کھو دیا گیا۔ ایک غیرجماعتی ایوان میں جنم لینے والی جماعت کے ممبران و عہدیداران کی جماعت سے وابستگی یقیناً ایک غیرمتعلق مسئلہ تھی۔ ایکتا کی بنیاد حکومتی ایوان تھے نہ کہ نظریاتی وابستگی یا جماعتی ضبط۔

تکرار جمہوریت ۱۹۸۸-۹۷ء

صدر پاکستان مسلم لیگ محمد خان جونیجو کی وزارت کی برطرفی کے خلاف مسلم لیگ اپنی صفوں میں انتشار کے باعث کوئی واضح حکمت عملی اختیار نہ کر سکی' جماعت نے اپنا حکومت موافق رویہ برقرار رکھا۔ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے نہ صرف جماعت کو عبوری حکومت میں شرکت کی اجازت دے دی بلکہ صدر کے خلاف جارحانہ رویہ اختیار نہ کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا۔[63]

۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۸ء کے دور میں مسلم لیگ کا ارتقاء ریاستی مشینری کا مرہون منت تھا' جس کے باعث جماعتی ضبط نام کو نہ تھا' مسلم لیگی قائدین کی ایک بڑی تعداد صدر مسلم لیگ کی بجائے صدر پاکستان کی وفادار تھی۔ اس بگاڑ کے اثرات بہت جلد سامنے آ گئے۔ نگران وزرائے اعلیٰ نے صدر کے اشاروں پر جونیجو کو مسلم لیگ کی صدارت سے ہٹانے کی سعی شروع کر دی۔ مسلم لیگ کا پارلیمانی گروہ عملی طور پر دو حصوں میں بٹ گیا۔[64] وزراء اعلیٰ لیگ فدا محمد خان اور نواز شریف کے زیرقیادت سرگرم ہو گئی۔ قائمقام وزرائے اعلیٰ

نے صوبائی جماعتوں کے عہدہ صدارت پر قبضہ کر لیا، نواز شریف پہلے سے مسلم لیگ پنجاب کے صدر تھے۔ بلوچستان میں ظفراللہ جمالی نے منتخب صدر میرجام غلام قادر کو اور سرحد میں جنرل فضل حق نے ارباب جہانگیر کو زبردستی مستعفی کروا کے صدارت سنبھال لی۔[۶۵]

مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ۱۳ اگست کو اسلام آباد میں طلب کیا گیا۔ اجلاس سے قبل صدر ضیاء کے ایماء پر وزراء اعلیٰ لیگ فدا محمد خان کو عہدہ صدارت کے لئے محمد خاں جونیجو کے مقابل نامزد کر چکی تھی۔[۶۶] ۱۳ اگست کے اجلاس میں مسلم لیگ کے زعماء نے اپنی سیاسی بالغ نظری کا مظاہرہ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو کر اور کرسیاں اور بوتلیں چلا کر کیا۔ اجلاس میں صدر کے انتخاب کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔[۶۷] ۱۷ اگست کو صدر ضیاء طیارے کے حادثے میں ہلاک ہو گئے۔ چیئرمین سینٹ غلام اسحاق خان قائمقام صدر مقرر ہوئے۔ صدر ضیاء غیرجماعتی بنیادوں پر انتخابات کا اعلان کر چکے تھے، مگر نگران حکومت نے سپریم کورٹ کے فیصلہ کی روشنی میں انتخابات کا انعقاد جماعتی بنیادوں پر کرنے کا اعلان کر دیا۔

مسلم لیگ میں قیادت کا بحران دو دھڑوں میں تقسیم پر منتج ہوا۔ ۲۶ اگست ۱۹۸۸ء کو وزرائے اعلیٰ لیگ نے متفقہ طور پر فدا محمد خان کو صدر اور نواز شریف کو جنرل سیکرٹری منتخب کر لیا۔[۶۸] تین دن بعد مسلم لیگ فنکشنل[۶۹] اور جونیجو گروپ کونسل کے مشترکہ اجلاس میں محمد خان جونیجو کو صدر اور اقبال احمد خان کو جنرل سیکرٹری منتخب کر لیا گیا۔ نومبر میں منعقد ہونے والے انتخابات کے لئے تمام سیاسی جماعتیں اور گروہ متحرک ہو چکے تھے۔ وزراء اعلیٰ لیگ حکومت موافق اور پیپلز پارٹی مخالف جماعتوں کے اتحاد سے "اسلامی جمہوری اتحاد" تشکیل دے چکی تھی۔ دوسری طرف مسلم لیگ جونیجو گروپ کی قیادت میں پاکستان عوامی اتحاد کے نام سے ایک اور اتحاد سرگرم ہو چکا تھا۔ سیاسی انتشار کی اس فضا میں پیپلز پارٹی کے لئے انتخابات میں فتح پانا کار دشوار نہ تھا۔

فوج اس تمام سرگرمی سے لاتعلق نہ تھی۔ اس کے لئے اعلیٰ قیادت کی حادثاتی موت کے بعد راج سنگھاسن پر قبضہ کرنا ممکن نہ رہا تھا، اور نہ ہی اس موقع پر انتخابات ملتوی کرائے جاسکتے تھے۔ مگر پیپلز پارٹی کا انتخابات جیت جانا بھی فوج کے لئے قابل قبول نہ تھا، سو سیاسی عمل سے حسب خواہش نتائج حاصل کرنے کے لئے فوج کے سربراہ مرزا اسلم بیگ نے آئی ایس آئی کو احکام دے دیئے۔ آئی ایس آئی، جنرل حمید گل کی قیادت میں نہ صرف منتشر مسلم لیگ کو متحد کرنے میں کامیاب رہی بلکہ پیپلز پارٹی مخالف جماعتوں کو

اسلامی جمہوری اتحاد کے پرچم تلے اکٹھا کر دیا گیا۔ جنرل حمید گل نے کچھ عرصہ بعد یہ اعتراف کیا کہ "پیپلز پارٹی مخالف طاقت کا قیام بہت ضروری تھا' اگر یہ نہ ہوتا تو جمہوریت بحال نہیں ہو سکتی تھی۔" فوج کا کردار صرف اس اتحاد تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اتحاد کی تمام مہم کو منظم کرنے میں بھی اس نے اپنا کردار ادا کیا۔[۷۰] نومبر ۱۹۸۸ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے زیر قیادت اتحاد قومی مجلس قانون ساز میں فقط ۵۴ نشستیں حاصل کر سکا' صوبائی انتخابات میں اتحاد نے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور پنجاب میں ۱۰۸ نشستیں حاصل کیں۔ (دیکھیں جدول-۲)

مرکز میں پیپلز پارٹی حکومت بنانے میں کامیاب رہی' اسلامی جمہوری اتحاد نے مسلم لیگ کی قیادت میں پنجاب میں وزارت تشکیل دی اور نواز شریف وزیراعلیٰ منتخب کئے گئے۔ مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ (پنجاب) کے جنرل سیکرٹری غلام حیدر وائیں کی قیادت میں اسلامی جمہوری اتحاد کا پارلیمانی گروہ تشکیل دیا گیا۔ ۹۷-۱۹۸۸ء تک مسلم لیگ کے سفر کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(ا) اختلاف (۱۹۸۸ء- ۱۹۹۳ء) - مسلم لیگ قیادت میں اختلافات کے باوجود واحد جماعت کی حیثیت سے سیاسی منظرنامے میں رہی گرچہ اس میں واضح طور پر دو دھڑے جونیجو اور نواز شریف کی قیادت میں سرگرم عمل تھے۔

(ب) انتشار (۱۹۹۳)- ۱۹۸۸ء سے لاحق اندرونی اختلاف بالآخر مسلم لیگ کی تقسیم پر منتج ہوا۔ مسلم لیگ (نواز) اور مسلم لیگ (جونیجو) کا قیام اور مستقبل میں انفرادی حیثیت میں سیاسی میدان میں طبع آزمائی۔

(ج) عروج (۱۹۹۷-۱۹۹۳)- مسلم لیگ (نواز) کا ایک سیاسی قوت کے طور پر ظہور۔

پہلا دور- اختلاف- ۹۳-۱۹۸۸ء

اختلافات جو کہ انتخابات کے موقع پر دبا دیئے گئے تھے' جلد ہی واضح ہونے لگے۔ فروری ۱۹۹۰ء میں صدر مسلم لیگ محمد خان جونیجو نے سرحد مسلم لیگ توڑ دی اور صدر سرحد مسلم لیگ جنرل فضل حق کو برطرف کر دیا۔ جنرل فضل حق نے فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ سرحد میں مسلم لیگ دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئی' ایک دھڑا معزول صدر کی زیر قیادت اور دوسرا سلیم سیف اللہ کی سربراہی میں۔[۷۱] جماعت میں اختلافات کی بنیادی وجہ نواز شریف اور صدر مسلم لیگ جونیجو کے مابین رسہ کشی تھی۔ سرحد کے قضیہ میں بھی نواز شریف فضل حق کی حمایت کر رہے تھے۔[۷۲]

اگست ۱۹۹۰ء میں صدر اسحاق نے پیپلز پارٹی کی حکومت کو بدعنوانی کے الزامات پر برطرف کر دیا، اور اکتوبر میں نئے انتخابات کا اعلان کر دیا گیا۔ انتخابات کے اعلان ہوتے ہی مسلم لیگ کے سامنے بنیادی سوال یہ تھا کہ انتخابات میں شرکت انفرادی حیثیت میں کی جائے یا اسلامی جمہوری اتحاد کے پرچم تلے۔ جونیجو انتخابات میں مسلم لیگ کی انفرادی حیثیت میں شمولیت پر مصر تھے، جبکہ نواز شریف صدر پنجاب مسلم لیگ آئی جے آئی کے پرچم تلے لڑنے پر تلے ہوئے تھے۔[۷۲] محمد خان جونیجو کے لئے سب سے زیادہ قابل اعتراض آئی جے آئی کی قیادت کا نواز شریف کے ہاتھ میں ہونا تھا۔ مسلم لیگی زعماء جونیجو نواز شریف میں مفاہمت کرانے میں کامیاب رہے اور مسلم لیگ نے اسلامی جمہوری اتحاد میں رہتے ہوئے انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔[۷۳]

مسلم لیگ کا یہ اتحاد کس قدر مصنوعی تھا، اس کے آثار روز اول سے عیاں تھے۔ ستمبر ۱۹۹۰ء میں ٹکٹوں کی تقسیم کے لئے ہونے والا پارلیمانی بورڈ کا اجلاس ہنگامے کی نذر ہو گیا۔ جونیجو اور نواز کے حامیوں میں مسلح تصادم ہوا جس کے نتیجے میں تین افراد زخمی ہو گئے۔[۷۴] ان تمام اختلافات کے باوجود مسلم لیگ نے اسلامی جمہوری اتحاد میں رہتے ہوئے انتخابات میں حصہ لیا۔ ۱۹۹۰ء کے انتخابات میں اسلامی جمہوری اتحاد واضح اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب رہا اس کامیابی میں بڑا حصہ مسلم لیگ کا تھا۔ (دیکھئے جدول ۲)۔ اتحاد کے سربراہ نواز شریف وزیراعظم منتخب ہوئے۔

دوسرا دور۔ انتشار ۱۹۹۳ء

جماعتی سطح پر اعلیٰ قیادت میں بدستور اختلافات پنپتے رہے۔ جماعت کی صفوں میں پائے جانے والے انتشار کے مظاہرے اس دور میں جابجا ملتے ہیں۔ مسلم لیگ کے دونوں گروہ بتدریج مفاہمت کی راہ سے دور ہوتے گئے۔ دسمبر ۱۹۹۰ء میں قائداعظم کے یوم پیدائش پر مسلم لیگ کے لاہور میں بیک وقت دو مختلف مقامات پر اجلاس ہوئے، ایک کی صدارت نواز شریف اور دوسرے کی محمد خان جونیجو نے کی۔[۷۵] اسی ماہ سینٹ کی ٹکٹوں کی تقسیم کے مسئلہ پر اختلافات اور بھی مہمیز ہوئے۔[۷۶]

۱۹۹۲ء میں نواز جونیجو محاذ آرائی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ دریں اثناء نواز شریف صدر اور فوج کے ساتھ اپنے معاملات الجھا چکے تھے۔ ۱۹۸۸ کی داستان پھر سے دہرائی گئی وزیراعظم سے بگاڑ کے نتیجے میں صدر غلام اسحاق خاں نے نواز شریف مخالف دھڑے کی پشت پناہی شروع کر دی۔ ۱۹۹۳ء نے ۱۹۸۸ سے جاری اختلافات کے کھیل کا اختتام مسلم لیگ کی تقسیم کی صورت میں دیکھا۔ مارچ ۱۹۹۳ میں صدر مسلم لیگ محمد

خاں جونیجو کی وفات کے بعد قائمقام صدر عبدالغفور ہوتی نے نئے صدر کے انتخاب کے لئے مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ۲۹ اپریل کو طلب کیا۔[۷۷] اسی دوران حکومتی محاذ پر بھی قیادت کا باہمی اختلاف سنگین صورت اختیار کر گیا' جونیجو گروپ سے متعلق چار مرکزی وزراء حامد ناصر چٹھہ' انور سیف اللہ اعجاز الحق اور اسد جونیجو نے کابینہ سے استعفیٰ دے دیا۔[۷۸]

نواز شریف نے ۲۷ مارچ کو مسلم لیگی رہنماؤں کا اجلاس اسلام آباد میں طلب کیا' اس اجلاس میں نواز شریف کو عہدۂ صدارت کے لئے نامزد کیا گیا۔ اس اجلاس میں مرکزی رہنماؤں کی اکثریت غیر حاضر تھی' حامد ناصر چٹھہ نے اس موقع پر اجلاس سے احتجاجاً" واک آوٹ کیا۔[۷۹] صدر کے انتخاب کے سلسلے میں جاری کشمکش نے تمام جماعت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ قائمقام صدر عبدالغفور ہوتی نے اسلام آباد میں ہونے والے اجلاس کو مسترد کر دیا۔ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس اسلام آباد میں طلب کیا گیا تو نواز شریف کے حامی گروپ نے بھی مجلس عاملہ کا متوازی اجلاس اسلام آباد میں طلب کر لیا۔ ۱۹ اپریل کو نواز گروپ کے اجلاس میں نواز شریف کو "صدر" منتخب کر لیا گیا۔[۸۰] جونیجو گروپ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ۲۹ اپریل کو اسلام آباد میں ہوا مگر صدر کا انتخاب نہ ہو سکا' نتیجہ" ۹ مئی کو ایک اور اجلاس بلایا گیا۔ ۹ مئی کے اجلاس میں حامد ناصر چٹھہ کو صدر منتخب کیا گیا۔[۸۱] یوں ۱۹۸۸ء سے جاری چپقلش کا خاتمہ بالآخر ۱۹۹۳ء میں مسلم لیگ کی دو دھڑوں میں تقسیم پر ہوا۔

تیسرا دور عروج (۱۹۹۳ء-۱۹۹۷ء)

۱۹۹۳ء میں نہ صرف مسلم لیگ بحران کی زد میں آئی' بلکہ ملک بھی حکومتی بحران کا شکار رہا' صدر سے اختلافات کا نتیجہ نواز شریف وزارت کی معطلی کی صورت میں نکلا۔ بحران اسوقت سنگین صورت اختیار کر گیا جب سپریم کورٹ کے حکم سے نواز شریف کی حکومت بحال کر دی گئی۔ صدر و وزیراعظم کے تعلق میں بہتری کی کچھ صورت سامنے نہ آتی تھی سو فوج کے سربراہ جنرل عبدالوحید کاکڑ کی مداخلت پر صدر اور وزیراعظم دونوں مستعفی ہو گئے اور ملک میں اکتوبر میں نئے انتخابات کا اعلان کر دیا گیا۔ نواز شریف کا دور وزارت دو سال تک رہا' نواز شریف کے زوال کے تین بنیادی اسباب تھے۔

اول۔ صدارتی اختیار کی حدود میں دخل اندازی' اور صدر سے تعلقات میں بتدریج بگاڑ۔

دوئم۔ فوج کے معاملات میں نفوذ' جو کہ فوجی قیادت کیلئے قطعاً قابل قبول نہ تھا۔

سوم۔ اتحادی جماعتوں سے نامناسب رویہ۔

پاکستان میں مروج سیاسی عمل کا رخ متعین کرنے میں یہ تینوں کردار اہم ترین ہیں ۔ نواز شریف کا بحیثیت وزیراعظم ان تینوں سے معاندانہ رویہ، ان تین طاقتوں کے وزیراعظم کے خلاف متحد ہو جانے کی صورت میں نکلا۔

اکتوبر ۱۹۹۳ء کے انتخابات میں مسلم لیگ (نواز) نے انفرادی حیثیت میں حصہ لیا۔ گرچہ کچھ نشستوں پر عوامی نیشنل پارٹی، تحریک استقلال، جے۔ یو۔ پی (نیازی) اور مسلم لیگ (فنکشنل) کے ساتھ جزوی اتحاد کیا گیا۔

۱۹۹۳ء کے انتخابات میں گرچہ مسلم لیگ (نواز) اکثریت حاصل کرنے میں ناکام رہی، مگر اس کا ظہور ملک کی اہم ترین جماعت کے طور پر ہوا۔ جماعت کو ملنے والے ووٹوں کی شرح (٪ ۳۹.۸۹) باقی تمام جماعتوں سے زیادہ تھی، جو جماعت کی عوام میں مقبولیت کا واضح ثبوت تھی۔ مسلم لیگ پہلی بار انفرادی حیثیت میں اس قدر نشستیں جیتنے میں کامیاب ہوئی۔

جماعت کا دوسرا دھڑا جو مسلم لیگ (جونیجو) کے نام سے جانا جاتا ہے، نے پیپلز پارٹی کے ساتھ انتخابی اتحاد کیا۔ مسلم لیگ (جونیجو) نے پنجاب سے قومی اسمبلی کی ۶ اور صوبائی اسمبلی کی ۱۸ نشستیں جیتیں، کسی اور صوبے میں وہ کوئی نشست جیتنے میں کامیاب نہ ہو پائی۔[۸۲] (دیکھئے جدول ۔ ۲)

۱۹۹۳ء کے انتخابات کے نتیجہ میں پاکستان کے سیاسی نظام میں دو جماعتی نظام کی سمت ارتقاء کے واضح رجحانات نظر آئے۔ رائے دہندگان کی بڑی اکثریت مسلم لیگ (نواز) اور پیپلز پارٹی سے متعلق نظر آئی۔ مسلم لیگ (نواز) نے بطور حزب مخالف آغاز سے ہی جارحانہ رویہ اپنایا۔ ۹۷-۱۹۹۳ء کا عرصہ حکومت مخالف تحریک سے عبارت رہا، گرچہ تمام کاوشوں سے جماعت حکومت کو تو کوئی نقصان نہ پہنچا سکی مگر اس کا ایک مثبت پہلو ضرور تھا، جماعت کا عوامی حلقوں سے ایک مستقل رابطہ رہا۔

۶ نومبر ۱۹۹۶ء کو صدر فاروق احمد خان لغاری نے پیپلز پارٹی کی حکومت برطرف کر دی اور ۹۰ روز میں نئے انتخابات کا اعلان کر دیا۔[۸۳] مسلم لیگ (نواز) کا شمار اس وقت ملک کی اہم ترین جماعت کے طور پر کیا جا سکتا ہے۔ یہ کہنا بجا ہو گا کہ ۱۹۵۸ء کے بعد مسلم لیگ پہلی بار ایک عوامی جماعت کی صورت میں ابھری ہے۔ موجودہ صورت حال میں جماعت کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کی بنا پر یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ وہ انتخابات میں پہلے سے

بہتر نتائج حاصل کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔

مسلم لیگ (ج) نے پیپلز پارٹی کے ساتھ عوامی جمہوری اتحاد (PDA) کے پرچم تلے انتخابات میں شرکت کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

مسلم لیگ (ن) کے انتخابات کے موقع پر جاری کردہ منشور کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

- ''خود انحصاری، میرٹ اور معاشی بحالی'' جماعت کا بنیادی نعرہ ہے۔ انہی تین نظریات کے گرد منشور کی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔
- نج کاری کی پالیسی، جس کا آغاز سابقہ دور حکومت میں کیا گیا تھا، جاری رکھی جائے گی۔ مگر اس عمل کو شفاف بنانے کی خاطر اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان تمام عمل کی نگرانی کریں گے۔
- ملکی پیداوار کو دگنا کر دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔
- غیر ملکی سرمایہ کاری کی ملکی معیشت میں اہمیت کے باعث، اسے آئینی تحفظ دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔
- زرعی شعبہ کی پیداوار کو عالمی معیار تک بڑھانے کے لئے ٹھوس اقدامات کا وعدہ کیا گیا ہے۔
- مزدوروں کو ان اداروں کے، جہاں وہ کام کرتے ہیں، پانچ فیصد حصص دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔
- تعلیمی شعبہ میں، جماعت اگلے پانچ سال میں ۶ سے ۱۲ سال کے ہر بچہ کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کا عزم رکھتی ہے، مزید برآں مساجد کو بھی مکاتب کے طور پر استعمال کرنے کی تجویز ہے۔
- صحت کے شعبہ میں جزوی نج کاری متعارف کروانے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔
- عوامی فلاح کی خاطر فراہمی و نکاسی آب کے منصوبے مزید توجہ کے مستحق ٹھہرائے گئے ہیں۔
- ماحولیاتی آلودگی ختم کرنے کے لئے مثبت لائحہ عمل ترتیب دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں عالمی اداروں سے امداد لینے کا بھی ارادہ ظاہر کیا گیا ہے۔[۸۴]

اختتامیہ

قیام پاکستان کے بعد مسلم لیگ کا بطور پاکستان کی خالق اور حکومتی جماعت کے فرض تھا کہ وہ نہ صرف مملکت کی آئینی بنیادوں کو مضبوط اور استوار کرے بلکہ ملک میں مضبوط جمہوری اداروں کی بھی بنیاد رکھے۔ ایک مضبوط جماعتی نظام جمہوریت کا انتہائی اہم ستون ہے۔ حزب اختلاف کی عدم موجودگی میں جمہوریت

محض ایک گروہی آمریت بن کے رہ جاتی ہے۔ لیکن مسلم لیگ کی قیادت نے جو کہ اس وقت حکومتی عہدے بھی چلا رہی تھی اس ضرورت سے تجاہل عارفانہ برتا۔ جس کی بنیادی وجہ مقتدر حلقے کا انفرادی مفاد کو ترجیح دینا تھا۔ مسلم لیگ شروع سے ہی اندرونی دھڑے بندے کا شکار تھی۔ ایک دھڑا جس کا تعلق موجودہ پاکستانی علاقوں سے تھا عوام میں نسبتاً گہری جڑیں رکھتا تھا جبکہ حکومت میں خاطر خواہ حصے سے محروم تھا جبکہ دوسرا دھڑا جن کے حلقہ ہائے انتخاب تقسیم کے بعد سرحدوں کے دوسرے جانب رہ گئے تھے اپنے آپ کو اقتدار میں رکھنے کیلئے نہ صرف لیگ کے اندر اختلاف برداشت نہیں کرتا تھا بلکہ اس امکان کے پیش نظر کہ کوئی دوسری پارٹی مقامی قائدین کو اقتدار میں لے آئے گی' پاکستان میں دوسری جماعت کی تشکیل میں بھی مزاحم رہا۔ نتیجتاً" مقامی اور غیرمقامی دھڑوں کی چپقلش نے قومی سیاست کو ہی دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ وفاق میں غیرمقامی دھڑا اقتدار میں تھا جبکہ صوبوں میں مقامی دھڑا مضبوط تھا۔ اس چپقلش نے ایک طرف تو ماورائے پارلیمانی قوتوں کو کھل کھیلنے کیلئے میدان مہیا کر دیا تو دوسری جانب غیرمقامی دھڑا اپنی کمزور عوامی بنیادوں کے خوف سے ان قوتوں پر زیادہ سے زیادہ انحصار کرنے لگا جو مسلم لیگ کا ایک مستقل خاصہ بن کے رہ گیا۔ اس کے بعد اپنی ساری کی ساری پچاس سالہ تاریخ میں مسلم لیگ میں ہمیشہ ایک ماورائے پارلیمانی قوتوں پر منحصر دھڑا ضرور موجود رہا جو اکثر اوقات مقتدر بھی رہا۔ فیلڈ مارشل ایوب خان اور جنرل ضیاء الحق کے ادوار میں مسلم لیگ کی تاریخ اس معروضے کی توثیق کرتی ہے۔ علاوہ ازیں مسلم لیگ کے دور اقتدار میں ان قوتوں کے متحرک اداروں کا کردار بھی اس ضمن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مسلم لیگ کا دوسرا کمزور ترین پہلو اس میں نظریاتی رہنما اصولوں کی عدم موجودگی اور شدید تنظیمی بحران رہا ہے۔ اول الذکر فقدان کے باعث جماعتی سیاست کا محور صرف مفاد رہا۔ مفاد کے گرد گھومتی سیاست میں جبکہ مختلف الاراء گروہوں کو باہم رکھنے والی کوئی نظریاتی قوت موجود نہیں تھی' ایسی شکست و ریخت ایک فطری عمل تھا۔

آخرالذکر کا کردار مسلم لیگ کو کمزور کرنے میں اس سے بھی زیادہ رہا ہے۔ تنظیمی بحران' اور جماعتی ضبط کی عدم موجودگی کے باعث مدتوں تک مسلم لیگ محاورۃ" اپنے پاؤں پہ کھڑی نہ ہو سکی۔ انہی کمزوریوں نے ایک اور مسئلے کو مزید سنگین کیا۔ قائداعظمؒ کے بعد مسلم لیگ میں قومی قیادت کا فقدان جو سامنے آیا اس کی سنگین حالی میں اضافے کا بنیادی سبب مندرجہ بالا دونوں وجوہ اور خصوصاً تنظیمی بحران بنا۔ بہرحال اب'

اگرچہ مسلم لیگ اسی دھڑے بندی' تنظیمی بحران اور نظریاتی اصولوں کے فقدان کا شکار ہے' ایک قومی قیادت سامنے لے کر آئی ہے۔ میاں محمد نواز شریف کی مسلسل بڑھتی ہوئی عوامی مقبولیت اور عوام میں گہری جڑیں ان کے ایک قومی قیادت بننے کی صلاحیت کی غماز ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات نظرانداز نہیں کی جا سکتی کہ جماعت کو لاحق تنظیمی فقدان اور جماعتی ضبط کے عوارض کی موجودگی میں مسلم لیگ کا ایک مضبوط جماعت کی شکل میں ابھرنا ایک ناممکن امر ہے۔

مسلم لیگی قیادت گرچہ عوامی مقبولیت تو حاصل کر چکی ہے' مگر جماعت کو نصف صدی سے لاحق کہنہ امراض کا علاج کرنا ہو گا۔ ایک مضبوط جماعت کی عدم موجودگی میں قیادت کا استحکام بھی ڈانواڈول رہتا ہے۔

جدول-۱
پاکستان مسلم لیگ کے صدور

نام صدر	دور صدارت
چوہدری خلیق الزمان	۱۹۵۰-۴۹ء
لیاقت علی خان	۱۹۵۱-۵۰ء
خواجہ ناظم الدین	۱۹۵۳-۵۱ء
محمد علی بوگرہ	۱۹۵۵-۵۳ء
میر غلام علی تالپور (قائمقام)	۱۹۵۶-۵۵ء
سردار عبدالرب نشتر	۱۹۵۸-۵۶ء
خان عبدالقیوم خان	۱۹۵۸ء
(کونسل لیگ)	
خواجہ ناظم الدین	۱۹۶۴-۶۲ء
سید محمد افضل	۱۹۶۶-۶۴ء
میاں ممتاز دولتانہ	۱۹۷۰-۶۶ء
حسن اے شیخ	۱۹۷۲-۷۰ء

(کنونشن لیگ)

ایوب خان	۶۳-۱۹۶۹ء
فضل القادر چوہدری	۶۹-۱۹۷۰ء

(قیوم لیگ)

خان عبدالقیوم خان	-۱۹۶۹ء

(پاکستان مسلم لیگ)

حسن اے شیخ	۷۲-۱۹۷۳ء
پیر صاحب آف پگاڑا .	۸۳-۱۹۸۵ء
محمد خان جونیجو	۸۶-۱۹۹۳ء
عبدالغفور خان ہوتی (قائمقام)	۱۹۹۳ء
محمد نواز شریف (نواز گروپ)	۱۹۹۳ء تا حال
حامد ناصر چٹھہ (جونیجو گروپ)	۱۹۹۳ء تا حال

جدول - ۲

۴۷-۱۹۵۳ء، پہلی مجلس آئین ساز

جماعت	نشستیں	
	۱۹۴۷ء	۱۹۵۳ء
مسلم لیگ	۴۹	۶۰
کانگریس	۱۲	۱۱
دیگر جماعتیں	۴	۳

۵۵-۱۹۵۷ء، دوسری مجلس آئین ساز

جماعت	نشستیں ۱۹۵۵ء	نشستیں ۱۹۵۷ء
مسلم لیگ	۳۳	۱۵
ری پبلکن پارٹی	-	۲۱
متحدہ محاذ	۱۶	-
عوامی لیگ	۱۳	۱۳
کرشک سرامک	-	۶
نیشنل عوامی پارٹی	-	۴
نون گروپ	۳	-
نظام اسلام	-	۳
کانگریس	۴	۴
دیگر جماعتیں	۵	۳
آزاد	۶	۹
خالی نشستیں	-	۲

قومی اسمبلی ۱۹۶۵ء

جماعت	نشستیں	
مسلم لیگ (کنونشن)	۱۲۴	☆ کونسل لیگ اس اتحاد کا حصہ تھی
متحدہ حزب اختلاف (COP)	۱۵	

Mushtaq Ahmad, Government and Politics in Pakistan,

Space Publications, Karachi, 1970.

۱۹۷۰ء

جماعت	امیدوار	حاصل کردہ	حاصل کردہ ووٹوں کا تناسب ٪

عوامی لیگ	۱۶۲	۱۶۰	۳۹.۲۰٪
پیپلز پارٹی	۱۲۰	۸۱	۱۸.۶۳٪
مسلم لیگ (کنونشن)	۱۲۴	۲	۳.۳۴٪
مسلم لیگ (کونسل)	۱۱۹	۷	۵.۹۶٪
مسلم لیگ (قیوم)	۱۳۳	۹	۴.۴۶٪
جماعت اسلامی	۱۵۴	۴	۶.۰۳٪
مرکزی جمعیت العلماء پاکستان	۵۰	۷	۳.۹۴٪
پی- ڈی- پی	۱۰۵	۱	۲.۲۴٪
نیشنل عوامی پارٹی (ولی خان)	۶۴	۶	۲.۴۳٪
جے یو آئی (مغربی پاکستان)	۱۰۵	۷	۳.۹۸٪
آزاد امیدوار	۳۱۶	۱۶	۷.۰۴٪

Report on General Elections in Pakistan, 1970-71, Election Commission of Pakistan, 1972, pp. 202-5

۱۹۷۷ء

جماعت	حاصل کردہ نشستیں
پیپلز پارٹی	۱۵۵
پاکستان قومی اتحاد☆	۳۶
مسلم لیگ (قیوم)	۱
آزاد	۸

☆ مسلم لیگ (پگاڑا) پاکستان قومی اتحاد میں شامل تھی۔

ماخذ: ڈان، کراچی، ۹ مارچ ۱۹۷۷ء

۱۹۹۳ء

جماعت	امیدوار	نشستیں حاصل کردہ	حاصل کردہ ووٹوں کا تناسب ٪
پاکستان پیپلز پارٹی	۱۶۶	۸۵	۳۷.۸۶٪
پاکستان مسلم لیگ (نواز)	۱۷۳	۷۳	۳۹.۸۶٪
پاکستان مسلم لیگ (جونیجو)	۱۸	۶	۳.۹۱٪
اسلامی جمہوری محاذ	۵۱	۴	۲.۴۰٪
پاکستان اسلامک فرنٹ	۱۰۴	۳	۳.۲۲٪
پختونخواہ ملی عوامی پارٹی	۶	۳	۰.۴۹٪
عوامی نیشنل پارٹی	۱۷	۳	۱.۶۷٪
جمہوری وطن پارٹی	۴	۲	۰.۲۷٪
متحدہ دینی محاذ	۳۵	۲	۱.۰۸٪
دیگر جماعتیں	۱۳۷	۵	-
آزاد امیدوار	۷۵۰	۱۵	۷.۴۰٪

Report on General Elections 1993, Vol.7, Election Commission of Pakistan, Islamabad, 1994, p.329.

جدول- ۳
پاکستان مسلم لیگ کے مختلف ادوار میں بننے والے دھڑے

۱۹۴۷-۵۸ء

مسلم لیگ پروگریسو گروپ
مسلم لیگ پروگریسو فرنٹ
مسلم لیگ جناح گروپ

زمیندارہ مسلم لیگ
مسلم لیگ خلافت پاکستان گروپ
عوامی مسلم لیگ

۷۰-۱۹۶۲ء

مسلم لیگ کنونشن
مسلم لیگ کونسل
مسلم لیگ قیوم (آل پاکستان مسلم لیگ)

۸۸-۱۹۷۷ء

مسلم لیگ پگاڑا
مسلم لیگ خواجہ خیرالدین/چٹھہ
مسلم لیگ (قیوم)
مسلم لیگ قیوم (اے کے نیازی گروپ)
مسلم لیگ قیوم (حاجی تاج محمد گروپ)
مسلم لیگ (شیخ لیاقت حسین)
مسلم لیگ کونسل فاطمہ جناح گروپ
یونائیٹڈ مسلم لیگ ڈاکٹر اے آر اعوان
آل پاکستان مسلم لیگ محتشم خان یوسفزئی گروپ
مسلم لیگ فارورڈ بلاک
مسلم لیگ ملک محمد قاسم گروپ

۹۷-۱۹۸۸ء

مسلم لیگ (ن) نواز شریف گروپ

مسلم لیگ (ج) جونیجو گروپ
مسلم لیگ فنکشنل

حوالہ جات

۱- A.B. Rajput, *Muslim League Yesterday and Today*, Lahore, 1948, 20.

۲- حکومت کو اس وقت بہت سے مسائل کا سامنا تھا' مثلاً مہاجرین کا مسئلہ' اثاثوں کی تقسیم' متحدہ ہندوستان کی فوج کی تقسیم اور ستمبر ۱۹۴۷ء میں بھارت نے کشمیر میں افواج بھیج کر بزور الحق کر لیا تھا۔ ان تمام مسائل کی موجودگی میں جماعت کی طرف توجہ دینا ممکن نہ تھا۔

۳- M. Rafiq Afzal, *Political Parties in Pakistan 1947-58*, National Institute for Historical and Cultural Research, Islamabad, 1976, 41

۴- سید نور احمد' مارشل لاء سے مارشل لاء تک' ملک دین محمد اینڈ سنز' لاہور' ۵۴-۳۵۳

۵- سید محمد ذوالقرنین زیدی' قائداعظم کے رفقاء سے ملاقاتیں' قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت' اسلام آباد' ۱۹۹۰ء' ۶۱

۶- Rafiq Afzal, 41.

۷- *Ibid.*, 42.

۸- ڈاکٹر صفدر محمود' پاکستان مسلم لیگ کا دور حکومت ۵۴-۱۹۴۷ء' غلام علی پبلشرز' لاہور' ۱۹۷۳ء ۷۷-۷۶

۹- سید محمد ذوالقرنین زیدی' بحوالہ سابقہ' ۸۱

۱۰- صفدر محمود' بحوالہ سابقہ' ص ۸۰

۱۱- صفدر محمود' بحوالہ سابقہ' ص ۸۳

۱۲- Zarina Salamat, *Pakistan 1947-1958*, An Historical Review, National Institute for Historical and Cultural Research, Islamabad, 1992, 102.

Rafiq Afzal, 42. -۱۳

۱۴- صفدر محمود، بحوالہ سابقہ، ۹۱-۹۳

Safdar Mehmood, *"Decline of the Pakistan Muslim League and Its Implications"*, Pakistan Journal of History and Culture, V.15, No.2, July-Dec 1994, 70. -۱۵

Rafiq Afzal, 45-6. -۱۶

Zarina Salamat, 105. -۱۷

۱۸- ناظم الدین وزارت پر ایک جامع مطالعہ کے لئے دیکھئے:

Rafiq Afzal, *"Nazim-ud-din Ministry: Reasons for its Dismissal"* Pakistan Journal of History and Culture, V.15, No.2, July-Dec 1994, 47-62.

Zarina Salamat, 105. -۱۹

Rafiq Afzal, 53-4. -۲۰

Ahmad Hussain, *Politics and People's Representation in Pakistan*, Ferozesons Ltd, Lahore, 1972, 38-9. -۲۱

Rafiq Afzal, 51-58. -۲۲

۲۳- سید نور احمد، بحوالہ سابقہ، ص ۳۲۲-۳۰

Ahmad Hussain, 43-4. -۲۴

۲۵- سید نور احمد، بحوالہ سابقہ، ص ۳۴۴

Mushtaq Ahmad, *Government And Politics in Pakistan*, Space Publishers, Karachi, 1970, 133. -۲۶

Rizwan Malik, *The Politics of One-Unit*, Pakistan Study Centre, University of Punjab, Lahore, 1988, 69-70. -۲۷

Ibid., 78-9. -۲۸

Rafiq, 223-5. -۲۹

Zarina, 108. -۳۰

۳۱- Rafiq Afzal, *Political Parties in Pakistan: 1958-69*, V.II, National Institute for Historical and Cultural Research, Islamabad, 1987, 21.

۳۲- *Ibid.*, 53-4.

۳۳- Mushtaq, 257.

۳۴- Lawrence Ziring, *The Ayub Khan Era, Politics in Pakistan 1958-69*, Syracuse University Press, 1971, 33-34.

۳۵- *Ibid.*, 35.

۳۶- Raunaq Jahan, *Pakistan: Failure in National Integration*, Columbia University Press, New York, 1972, 129.

۳۷- Rafiq Afzal, V. II, 63-71.

۳۸- Raunaq Jahan, 132.

۳۹- مولانا محمد اکرم خاں' اسلامی نظریاتی مشاورتی کونسل کے ممبر تھے۔ ایوب خان کے کہنے پر وہ ایسا کرنے پر مجبور ہو گئے۔

۴۰- Mushtaq, 258.

۴۱- Ahmad Hussain, 87-9.

۴۲- Rafiq, V.II, 77-9.

۴۳- Report on General Elections in Pakistan, 1970-71, Vol.1, Election Commission of Pakistan, 1972, 204-5.

۴۴- Safdar Mehmood, *A Political Study of Pakistan*, Sh. Mohammad Ashraf, Lahore, 1975, 216.

۴۵- 1970 Elections Report, 204-5.

۴۶- Safdar Mehmood, 111.

۴۷- *Ibid.*, 111-2.

۴۸- Surendra Nath Kaushik, *Politics in Pakistan: A Study of Rise and Fall of Z.A. Bhutto*, Manohar Building, M.I. Road, Jaipur (India), 1985, 80-81.

۴۹- *The Frontier Post*, Peshawar, 16 May 1986.

۵۰- "خواجہ خیرالدین سے انٹرویو" نوائے وقت، راولپنڈی، ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۶ء

۵۱- مشرق، لاہور، ۹ فروری ۱۹۸۳ء

۵۲- جنگ، راولپنڈی، ۲۲ نومبر ۱۹۸۳ء

۵۳- *The Muslim*, Islamabad, 23 March 1985.

۵۴- جنگ، راولپنڈی، ۱۹ جنوری، ۱۹۸۶ء

۵۵- Mushahid Hussain, *Pakistan's Politics The Zia Years*, Progressive Publishers, Lahore, 1990, 187.

۵۶- جنگ، راولپنڈی، ۱۷ مئی ۱۹۸۶ء

۵۷- Mushahid Hussain, 183.

۵۸- *The Nation*, Lahore, 11 December 1986.

۵۹- جنگ، راولپنڈی، ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۶ء

۶۰- Sriedhar, John Kaniyalil and Sarita Pande, *Pakistan After Zia*, ABC Publishing House, New Delhi, 1989, 30-4.

۶۱- Cited in, Robert Laporte Jr., *"Another Try At Democracy"* in J. Henry Kosson (ed.), Contemporary Problems of Pakistan, West View Press, Boulder, 1993, 190.

۶۲- جنگ، راولپنڈی، ۲۷ مئی ۱۹۸۷ء

۶۳- *Dawn*, Karachi, 2 June 1988.

۶۴- جنگ، راولپنڈی، ۱۱ جولائی ۱۹۸۸ء

۶۵- سید انور قدوائی، "اتحاد مسلم لیگ کو راس نہیں آتا" نوائے وقت، راولپنڈی، ۲۸ اگست ۱۹۸۸ء

۶۶- دیکھئے ظفراللہ جمالی کا بیان، جنگ راولپنڈی، ۲۷ اگست ۱۹۸۸ء

۶۷- جنگ، راولپنڈی، ۱۱ جولائی ۱۹۸۸ء

۶۸- ایضاً' ۲۷ اگست ۱۹۸۸ء

۶۹- پیر پگاڑا کا کہنا تھا کہ انہوں نے ۱۹۷۹ء میں کالعدم کی جانے والی مسلم لیگ جس کے وہ سربراہ تھے' اب فعال یا "فنکشن" کر دی ہے' سو ان کا گروپ مسلم لیگ (فنکشنل) کے نام سے موسوم ہوا۔

۷۰- Zahid Hussain and Maleeha Lodhi, *"Role of Intelligence Agencies"*, Newsline, Karachi, October 1992.

۷۱- مشرق' لاہور' ۱۰ فروری ۱۹۹۰ء

۷۲- *The Muslim*, Islamabad, 20 March, 1990.

۷۳- نوائے وقت' راولپنڈی' ۲۷ اگست ۱۹۹۰ء

۷۴- مشرق' لاہور' ۲۹ اگست ۱۹۹۰ء

۷۵- *Dawn*, Karachi, 27 December, 1990.

۷۶- جنگ' راولپنڈی' ۳۰ دسمبر ۱۹۹۰ء

۷۷- *Pakistan Observer*, Islamabad, 23 March, 1993.

۷۸- *The Muslim*, Islamabad, 28 March, 1993.

۷۹- نوائے وقت' راولپنڈی' ۲۸ مارچ ۱۹۹۳ء

۸۰- *The Pakistan Times*, Islamabad, 20 April, 1993.

۸۱- *The Muslim*, Islamabad, 10 May, 1993.

۸۲- *Report on General Elections 1993*, Vol.1, Election Commission Of Pakistan, Islamabad, 1994, pp.320-37.

۸۳- *The News*, Islamabad, 6 November, 1996.

۸۴- *Dawn*, Karachi, 6 January, 1997.

[illegible]

سہ ماہی ادبیات ۱
اسلام آباد

اکادمی ادبیات پاکستان' اسلام آباد کا موقر سہ ماہی مجلہ **ادبیات** جو خوبصورت کتابت و طباعت کے ساتھ نہایت کم قیمت میں پاکستانی ادب پر بیجد معیاری تحقیقی' تنقیدی اور تخلیقی نگارشات پیش کرتا ہے۔

بدلِ اشتراک

اندرونِ ملک :	بیرونِ ملک : امریکہ، کینیڈا، یورپ، مشرقِ بعید	مشرقِ وسطیٰ، بھارت، شمالی افریقہ
فی شمارہ : ۲۰ روپے	فی شمارہ : ۷ ڈالر (بذریعہ ہوائی ڈاک)	فی شمارہ : ۶ ڈالر (بذریعہ ہوائی ڈاک)
سالانہ : ۷۵ روپے (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک)	سالانہ چندہ : ۲۵ ڈالر (″ ″)	سالانہ چندہ : ۲۲ ڈالر (″ ″)

اکادمی ادبیات پاکستان' سیکٹر ایچ-ایٹ/ون اسلام آباد- فون ۲۵۴۵۶۸